صفر المظفر - ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
جنوری - مارچ ۲۰۱۱ء

سہ ماہی

حکمت قرآن
لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

مؤسس : ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ علیہ
مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

اُسوہ وسیرتِ رسول اکرم ﷺ

پر ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کی چند تالیفات

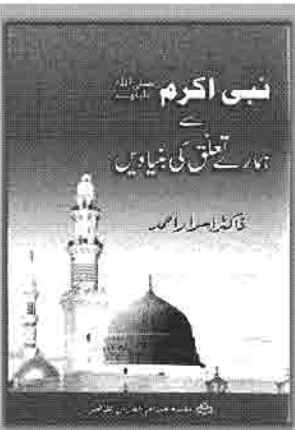

اشاعت خاص:35روپے
اشاعت عام:20روپے

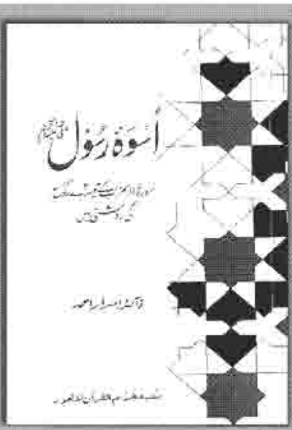

اشاعت خاص:50روپے
اشاعت عام:30روپے

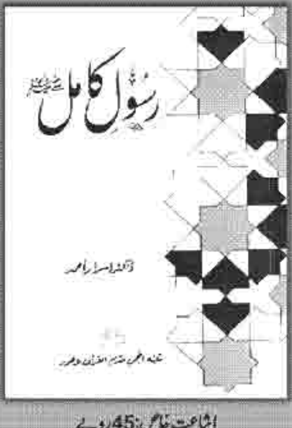

اشاعت خاص:45روپے
اشاعت عام:25روپے

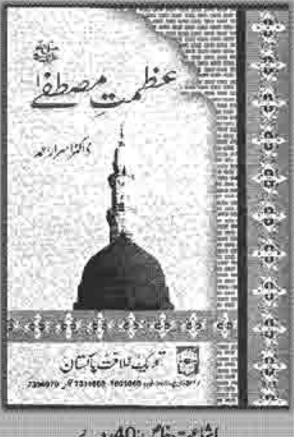

اشاعت خاص:40روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور

قرآن اکیڈمی، K-36 ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 3-35869501-42-92+
ای میل: maktaba@tanzeem.org ویب سائٹ: www.tanzeem.org

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (البقرة: ٢٦٩)

سہ ماہی حکمت قرآن لاہور

جلد ۳۰ | شمارہ ۱

صفر المظفر ۔ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ | جنوری مارچ ۲۰۱۱ء

بیادگار:
ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم ۔۔ ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ

مدیر مسئول: ڈاکٹر ابصار احمد

مدیر: حافظ عاطف وحید

نائب مدیر:
حافظ خالد محمود خضر

ادارۂ تحریر:
حافظ محمد زبیر۔ حافظ نذیر احمد ہاشمی
پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

مکتبہ مطبوعات مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
36 کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون 3-35869501
ویب سائٹ : www.tanzeem.org
ای میل : publications@tanzeem.org
سالانہ زر تعاون : 200 روپے ، فی شمارہ : 50 روپے

اس شمارے میں

حرفِ اوّل

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا عظیم تاریخی کارنامہ — حافظ عاطف وحید — 3

رجوع الی القرآن

اسلام برعظیم پاک و ہند میں — ڈاکٹر اسرار احمدؒ — 5

مضامین قرآن

قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین کا اجمالی تجزیہ — ڈاکٹر اسرار احمدؒ — 19

فہمُ القرآن

ترجمۂ قرآن مجید' مع صرفی ونحوی تشریح — افادات حافظ احمد یارؒ — 25

حکمتِ نبویؐ

حضور ﷺ کی پیشینگوئیاں اور علم الغیب — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ — 33

علومِ قرآنی

قدیم مصاحفِ قرآنیہ: ایک تجزیاتی مطالعہ — حافظ محمد زبیر — 37

فکر و نظر

شریعتِ اسلامی میں شراب نوشی کی سزا (۲) — حافظ نذیر احمد ہاشمی — 60

تحقیق و تفہیم

PROOF OF THE TRUE GOD — Muddassir Rasheed — 87

بیان القرآن

MESSAGE OF THE QURAN — Dr. Israr Ahmad — 96

حرفِ اوّل

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کا عظیم تاریخی کارنامہ

وابستگانِ تنظیم اسلامی اور انجمن ہائے خدام القرآن جس فکرِ دین کے علمبردار ہیں اور جس تُراثِ علمی کے خوشہ چیں ہیں اس میں اسلام محض چند عقائد و رسومات کا مجموعہ نہیں ہے اور نہ ہی اس تصورِ اسلام میں صرف ذاتی عبادات اور دینی اخلاقیات ہی مرکزِ توجہ ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام پہلو اسلامی تعلیمات ہی کے عناصرِ ترکیبی ہیں۔ لیکن جس تصورِ اسلام کی علمبرداری کا شرف دبستانِ ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہے وہ وسیع تر اور زیادہ ہمہ گیر ہے۔

اس تصورِ اسلام میں اسلام کی حیثیت ''دین'' کی ہے' جس کی بہتر اور متوازن تعبیر کے لیے ''نظامِ حیات'' کا استعارہ موزوں تر ہے۔ یہ تصورِ اسلام قرآن وسُنّت کی اُن تعلیمات کے مجموعے سے عبارت ہے جس میں انسانی زندگی کے جملہ اعتقادی و نظری' علمی و عملی' انفرادی و اجتماعی' قانونی و انتظامی' معاشی' معاشرتی' سیاسی اور قومی و بین الاقوامی معاملات کے بارے میں ہدایات شامل ہیں اور جس کا عملی نفاذ ''خلافت'' کہلاتا ہے۔ یہ اسلام اپنی کُل ہمہ گیریت کے ساتھ ایک وحدت ہے اور اس میں استثناء کا عمل دخل نہیں ہے۔ اس اسلام کو من حیث الکُل اختیار کرنا قرآن کا اولین تقاضا ہے: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً﴾ اور اس تصورِ اسلام کی صحیح تعبیر اُسی صورت میں ممکن ہے جب کہ جملہ امور میں قرآن وسُنّت کی بالادستی کو قبول کیا جائے۔

المیہ یہ ہے کہ دورِ زوال کے اثرات بد نے اس تصورِ اسلام کو مجروح کر دیا ہے۔ مزید برآں اُمّت کے چیرہ دست حکمران طبقات کی اُلٹی قلابازیوں نے جدید تعلیم یافتہ دینی ذہن رکھنے والے عوام وخواص کی بڑی تعداد کو دین کے سیاسی غلبہ و تسلّط کے حوالے سے متوحّش کر دیا ہے...... نتیجتاً وہ اپنے آپ کو اخلاقیات اور انفرادی تزکیہ تک محدود کرنے پر مجبور پاتے ہیں۔ دراصل ان طبقات کا معاملہ یہ ہے کہ ؏

ساری جاتی دیکھئے تو آدھی دیجیے بانٹ!

یعنی اجتماعیت کے معاملات پر تو آپ کا اختیار نہیں اور نہ ہی معاشی و سیاسی امور تک رسائی ہے' لہٰذا ان کے بارے میں کڑھنے اور فکرمند رہنے سے بہتر ہے کہ جو کچھ ہاتھ میں ہے اسے سنبھالا جائے۔ اس ''دفاعی'' طرزِ عمل نے تدریجاً ایک نظریے کی صورت اختیار کر لی ہے جس کے اپنے ہی دلائل اور

تاویلات ہیں۔

روایتی دینی علمی حلقے البتہ اس فکری رجحان کی بہت حد تک تائید کرتے ہیں جسے ہم نے اسلام بطورِ نظامِ حیات سے تعبیر کیا ہے۔ ان کے یہاں دین کے سیاسی غلبے سے ویسا توحُّش نہیں ہے جیسا کہ مقدّم الذکر طبقے کو ہے۔ نظامِ خلافت کے قیام کے حوالے سے ان کے ہاں یہ تصور بہت غنیمت ہے کہ ''آج کے حالات میں خلافت کے بغیر اُمّتِ مُسلمہ بحیثیت مجموعی ایک فرض کی تارک و گناہگار ہے۔''

یہ طرزِ فکر بوجوہ مثبت اور ایجابی ہے۔ کم از کم یہ احساس تو ہے کہ ہم کچھ کھو چکے ہیں' جس کی بازیابی اُمّت کے ذمّے ہے۔ اپنے مستقبل کے لائحہ عمل کو ماضی کے تناظر میں دیکھنے کی ایک دبی ہوئی خواہش تو ہے۔ ہاں جس چیز کی کمی ہے وہ اس ''کھوئی ہوئی جنت'' کے حصول کا درست لائحہ عمل ہے۔ ایک ایسا لائحہ عمل جو محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے درست ترین لائحہ عمل سے ماخوذ ہو اور جو آج کے جدید لیکن پُرفتن دور کی نزاکتوں کا بھی لحاظ رکھتا ہو......' اور جو ایسا موزوں اور متوازن ہو کہ اگر اس سے کسی مثبت نتیجہ کا حصول نہ ہو سکے تو کم از کم منفی نتائج تو برآمد نہ ہوں۔ یعنی' بالفاظ دیگر' اگر دُنیا میں اپنی تمام تر مخلصانہ کوششوں کے باوجود مشیّتِ الٰہی سے قیامِ خلافت کی منزل تک رسائی ممکن نہ ہو تو بھی آخرت میں اخلاصِ نیت اور درست لائحہ عمل اختیار کرنے کی جزا تو یقینی ہو۔

دبستانِ ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کو' بحمد اللہ' اس درست لائحہ عمل کا فیضان بھی حاصل ہے۔ اس لائحہ عمل کو اپنی جملہ جزئیات کے ساتھ قلم و قرطاس کی زینت دینا ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کا وہ عظیم کارنامہ ہے جسے ایک تاریخی کام قرار دینا ہرگز غلط نہ ہوگا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس لائحہ عمل اور منہج کو موضوعِ بحث بنایا جائے تاکہ بحث و تمحیص سے ایک ایسی فضا پیدا ہو سکے کہ جس سے قیامِ خلافت کی منزل کی رکاوٹیں دُور ہوں۔oo

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی دستاویز

ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کی مقبولِ عام تالیف

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

اشاعت خاص: 40 روپے اشاعت عام: 20 روپے

اسلام برِّعظیم پاک و ہند میں

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

برِعظیم پاک و ہند میں خورشیدِ اسلام اوّلاً عینِ غرب یعنی مکران اور بلوچستان کے اُفق پر خلافتِ بنی اُمیّہ کے زمانے میں اُس وقت طلوع ہوا جب نبی اکرم ﷺ کے انتقال پر اسّی برس[(۱)] بیت چکے تھے اور دورِ خلافتِ راشدہ کو ختم ہوئے بھی نصف صدی کے لگ بھگ عرصہ گزر چکا تھا —— اور اسلام کے صدرِ اول کا جوش و خروش کم ہوتے ہوتے تقریباً معدوم کے حکم میں داخل ہو چکا تھا۔ چنانچہ سرزمینِ ہند پر 'بابُ الاسلام' سندھ کے راستے اسلام کا یہ ورودِ اوّل بھی کسی مثبت تبلیغی جذبے یا احساسِ فرض کا مرہونِ منّت نہ تھا بلکہ ایک وقتی اور فوری اشتعال کا نتیجہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اُس وقت اسلام کی کرنیں موجودہ پاکستان کے بھی صرف نصفِ جنوبی کو منوّر کر کے رہ گئیں اور اِس مدّ میں بھی جزر کے آثار فوراً ہی شروع ہو گئے اور برِعظیم پاک و ہند میں اسلام کی یہ آمدِ اوّلین نہایت محدود بھی رہی اور حد درجہ عارضی بھی۔

گویا سرزمینِ ہند دَورِ نبویؐ اور عہدِ خلافت علیٰ منہاج النّبوۃ کی برکات سے تو مطلقاً محروم ہی رہی' جس میں ایمان اور یقین کا کیف و سرور اور جہاد و قتال کا جوش و خروش باہم شیر و شکر تھے اور جہاد کی اصل غرض و غایت فریضۂ شہادت علی الناس کی ادائیگی کا جذبہ تھا یا حصولِ مرتبۂ شہادت[(۲)] کا ذوق و شوق' نہ کہ ملک گیری و کشور کشائی کی ہوس یا مالِ غنیمت و اسبابِ عیش کی حرص۔ مزید محرومی یہ رہی کہ اُسے اُس خالص عربی الاصل اسلام کے اثرات سے متمتّع ہونے کا موقع بھی بہت ہی کم ملا جس میں دین و دنیا کی وحدت و یگانگت ابھی اِس حد تک باقی تھی کہ رات کے راہب ہی دن کے شہسوار[(۳)] ہوتے تھے اور ایک ہی انسان کے ایک ہاتھ میں قرآن ہوتا تھا اور دوسرے میں تلوار!

بعد ازاں جنوبی ہند کے مغربی ساحل پر تو اسلام کے انوار و برکات کا ترشّح عرب تاجروں کی آمد و رفت کے طفیل تقریباً مسلسل ہوتا رہا' اگرچہ اِس کی نوعیت ایک ہلکی سی پھوار یا دھیمی سی آنچ کی تھی

(۱) آنحضور ﷺ کا سنِ وفات ۶۳۲ء ہے اور سندھ پر محمد بن قاسمؒ کا حملہ ۷۱۲ء میں ہوا۔

(۲) بقول علامہ اقبال ۔ شہادت ہے مقصود و مطلوبِ مومن نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی!

(۳) رستمؔ سپہ سالارِ افواجِ ایران کو اُس کے مخبروں نے مسلمان افواج کے جو حالات بتائے تھے اُن میں یہ الفاظ بھی ملتے ہیں کہ "هُمْ رُهْبَانٌ بِاللَّيْلِ وَفُرْسَانٌ بِالنَّهَارِ" یعنی "وہ رات کے راہب ہیں اور دن کے شہسوار!"

جس کے اثرات زیادہ محسوس ومشہود نہیں ہوتے ---- لیکن شمال مغربی سرحد پر واقع پہاڑی درّوں سے اسلام کا سیلاب کم وبیش تین صدیوں بعد شروع ہوا اور مزید لگ بھگ دو سو برس تک اِس کی نوعیت واقعتاً پہاڑی ندی نالوں کے سیلاب ہی کی سی رہی کہ زور وشور اور غیظ وغضب کے ساتھ آیا اور آناً فاناً گزر گیا ---- اور اگرچہ اِس بار موجودہ پاکستان کے نصف شمالی کی قسمت جاگی کہ وہ ۱۰۰۰ء کے آس پاس ہی باقاعدہ اسلامی قلمرو میں شامل ہو گیا' تاہم واقعہ یہی ہے کہ محمود غزنوی اور محمد غوری کے حملوں کی اصل حیثیت پہاڑی نالوں کے سیلاب سے زیادہ نہ تھی جو اِدھر آتا ہے اُدھر گزر جاتا ہے!

تختِ دہلی پر مسلمانوں کو باقاعدہ تمکّن ۱۲۰۶ء کے لگ بھگ حاصل ہوا اور ہندوستان میں مسلمانوں کا دورِ حکومت عروج وزوال اور مدّ وجزر کے مختلف مدارج ومراحل سے گزرتا ہوا ۱۸۵۷ء کے 'غدر' پر ختم ہو گیا۔ اِن ساڑھے چھ سو سالوں کے نصفِ اوّل کے دوران' یعنی ۱۲۰۶ء سے ۱۵۲۶ء تک پہلے کچھ ترکی النسل 'غلام بادشاہ'(۱) تختِ دہلی کو زینت بخشتے رہے اور بعد ازاں کچھ افغان خاندان (خلجی' لودھی وغیرہ) حکمران رہے' اور نصفِ ثانی یعنی ۱۵۲۶ء سے ۱۸۵۷ء تک مغلوں کا دور ہے جس کے کُل سوا تین سو سالوں میں سے پہلے پونے دو سو برس (۲) اُن کی اصل عظمت وسطوت کا زمانہ ہے اور بعد کے ڈیڑھ سو برس اصلاً ایک عظیم عمارت کے کھنڈروں میں تبدیل ہونے اور بالآخر زمین بوس ہو جانے کا عرصہ! (ع ''کھنڈر بتا رہے ہیں عمارت عظیم تھی!'')

گویا ہندوستان میں اسلام آیا ہی اُس وقت جب وہ اپنی نشأۃِ اولیٰ کے بعد زوالِ اوّل سے پوری شدّت کے ساتھ دوچار ہو چکا تھا اور اُس کی وحدتِ فکری بھی پارہ پارہ ہو چکی تھی اور وحدتِ ملی بھی۔ چنانچہ ایک طرف عالمِ اسلام کے قلب میں عرب قوت کا تقریباً خاتمہ ہو چکا تھا اور خلافتِ بنی عباس کا دیا چراغِ سحری کے مانند ٹمٹما رہا تھا(۳) اور پوری مملکت طوائف الملوکی کا شکار تھی' گویا بنی اسمٰعیلؑ کے حق میں

(۱) تاریخ اسلام کا یہ دور عجیب ہے کہ از شرق تا غرب غلاموں ہی کی حکومتیں قائم تھیں۔ چنانچہ ہند میں خاندانِ غلاماں حکمران تھا تو مصر میں مملوک سریر آرائے مملکت تھے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام نے غلاموں کو کہاں سے اٹھا کر کہاں تک پہنچایا!

(۲) یعنی ۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب عالمگیر ؒ کی وفات تک!

(۳) چنانچہ ہندوستان میں مسلمانوں کی باقاعدہ حکومت کے آغاز کے نصف ہی صدی کے اندر اندر یہ چراغ بالکل بجھ گیا اور ۱۲۵۸ء میں تاتاریوں کے ہاتھوں بغداد میں وہ قتل عام ہوا کہ الامان والحفیظ ---- اور آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ اس طرح سرِعام ذبح کر دیا گیا جیسے کسی بھیڑ یا بکری کو حلال کر دیا جائے۔ جس پر خون کے آنسو بہائے شیخ سعدی نے ؎

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں | بر زوالِ مُلکِ مستعصم امیر المؤمنیں!
اے محمدؐ گر قیامت سر بروں آری زخاک | سر بروں آرد قیامت درمیانِ خلق بیں!

وعیدِ خداوندی ﴿اِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ﴾ پوری طرح ظاہر ہو چکی تھی ـــــ اور دوسری طرف خلافتِ اسلامی کی وہ توحیدی شان ایک داستانِ پارینہ بن چکی تھی جس میں نہ دین و دنیا کے مابین کوئی دوئی تھی نہ مذہب و ریاست میں کوئی جدائی‘ اور خدا کے جلال و جمال (۱) کے مظاہر جدا تھے نہ سلطانی و درویشی کے مصداق مختلف! ـــــ اور اِس کی جگہ قیادت و سیادت اور رہنمائی و پیشوائی کے ضمن میں ملوک‘ احبار اور رُہبان پر مشتمل وہ قدیم تثلیث (۲) پوری طرح رائج و نافذ ہو چکی تھی جو ایک اسلام کے سوا دنیا کی تمام تہذیبوں اور تمدنوں کا جزوِ لاینفک رہی ہے اور جس سے پیشگی خبردار کیا تھا عہدِ اوّلین ہی میں حضرت عبداللہ بن المبارکؒ نے اپنے اِس حد درجہ فصیح و بلیغ شعر میں (۳) ؎

وَمَا اَفْسَدَ الدِّیْنَ اِلَّا الْمُلُوْکُ
وَاَحْبَارُ سَوْءٍ وَرُہْبَانُہَا

ـــــ اور اگرچہ اسلام کے اعجاز نے اِس دورِ زوال و انحطاط میں بھی بہت سی عظیم اور استثنائی (exceptional) شخصیتیں پیدا کیں‘ جیسے صلاح الدین ایوبیؒ اور ناصر الدین محمودؒ ایسے درویش بادشاہ اور امام ابن تیمیہؒ ایسی جامع سیف و قلم شخصیت‘ تاہم واقعہ یہ ہے کہ اِس دور تک ایک جانب مسلمان حکمران و سلاطین اکثر و بیشتر ’’آیۂ اِنَّ الْمُلُوْکَ‘‘ (۴) کے مصداقِ کامل بن چکے تھے اور دوسری جانب علماء و صوفیاء کی عظیم اکثریت بھی آیاتِ قرآنی ﴿لَوْلَا یَنْہٰہُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِہِمُ الْاِثْمَ

---

۱) ؎ شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود — فقرِ جنیدؒ و بایزیدؒ تیرا جمالِ بے نقاب

۲) گویا علامہ اقبال کا یہ شعر کہ ؎

لے گئے تثلیث کے فرزند میراثِ خلیلؑ — خشتِ بنیادِ کلیسا بن گئی خاکِ حجاز

ظاہری طور پر بھی مطابقِ واقعہ ہے اور معنوی طور پر بھی۔ خصوصاً تاریخ اسلام کے اِس دور میں جس کا ذکر یہاں ہو رہا ہے ایک طرف تثلیث کے فرزندوں نے صلیبی جنگوں سے عالمِ اسلام کا عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا اور دوسری طرف یہ معنوی تثلیث اسلام کی وحدانیت کی جڑیں کھوکھلی کر چکی تھی۔

۳) حضرت عبداللہ بن المبارکؒ کے اِس شعر کی اتنی ہی فصیح و بلیغ ترجمانی کی ہے علامہ اقبالؒ نے اپنے اِس شعر میں ؎

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری — اے کشتۂ ملائی و سلطانی و پیری!

۴) علامہ اقبال مرحوم نے ان الفاظِ قرآنی: ﴿اِنَّ الْمُلُوْکَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَۃً اَفْسَدُوْہَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّۃَ اَہْلِہَآ اَذِلَّۃً﴾ (النمل: ۳۴) کے حوالے سے کس قدر عمدہ اشعار کہے ہیں:

آ بتاؤں تجھ کو رمزِ آیۂ اِنَّ الْمُلُوْک — سلطنت اقوامِ غالب کی ہے اک جادوگری
خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر — پھر سلا دیتی ہے اُس کو حکمراں کی ساحری
جادوئے محمود کی تاثیر سے چشمِ ایاز — دیکھتی ہے حلقۂ گردن میں سازِ دلبری
سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے — حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری!

وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ﴾ (المائدة:٦٣)اور ﴿اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ﴾(التوبة: ٣٤) کی مظہر اتم بن چکی تھی ۔ فَوَاحَسْرَتَا وَيَااَسَفَا!

ہندوستان میں اسلام وارد تو ایسی منقسم حالت میں ہوا تھا کہ اصحابِ سیف وسناں جدا تھے اور صاحبانِ قرطاس وقلم جدا — اور زیبِ منبر ومحراب اور تھے اور زینتِ میدانِ جنگ وقتال اور — چنانچہ ابتدا میں ایک جانب محمود غزنوی اور محمد غوری کی سرفروشانہ ترکتازیاں تھیں اور دوسری جانب شیخ اسماعیل بخاری اور شیخ علی ہجویری رحمہما اللہ کی تبلیغ وتلقین اور تعلیم وتربیت کی انتھک کوششیں — اور بعد میں ایک طرف قطب الدین ایبک اور بختیار خلجی کی تلواریں مملکت کی توسیع اور استحکام کا فریضہ سرانجام دے رہی تھیں تو دوسری طرف خواجگانِ سلسلۂ چشت رحمہم اللہ نفوس کے تزکیے، قلوب کے تصفیے اور سیرت وکردار کی تعمیر میں مصروف تھے۔ تاہم غنیمت ہے کہ آغاز میں اِن دونوں حلقوں کے مابین گہرا ربط وتعلق موجود تھا، جس کا عظیم ترین نشان (symbol) ہے سلطان التمش کی جامع الصفات شخصیت کہ ایک طرف ایک عظیم مملکت کا حکمران بھی تھا اور دوسری طرف خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ؒ کا حلقہ بگوش اور حد درجہ عابد وزاہد انسان بھی — یہاں تک کہ حضرتِ خواجہ کے انتقال پر جب لوگ نمازِ جنازہ کے لیے جمع ہوئے اور وہاں خواجۂ مرحوم کی اِس وصیت کا اعلان کیا گیا کہ میری نمازِ جنازہ صرف وہ شخص پڑھائے جس نے عمر بھر کبھی زنا نہ کیا ہو اور جس کی نہ کبھی تکبیرِ اولیٰ فوت ہوئی ہو نہ عصر کی سنتیں چھوٹی ہوں، نتیجتاً مجمع پر سکتہ سا طاری ہو گیا اور تمام لوگ حیران وپریشان ہو کر رہ گئے کہ ایسا شخص کون ہو سکتا ہے جس میں یہ ساری شرطیں پوری موجود ہوں تو قدرے تأمل وانتظار کے بعد جو شخص اگلی صف سے امامت کے لیے نکلا وہ خود بادشاہِ وقت سلطان التمش تھا!

لیکن جلد ہی یہ رابطہ کمزور پڑ گیا اور رجالِ سلطنت اور رجالِ دین کے مابین ایک بُعد اور فصل پیدا ہو گیا اور اُن کے شب وروز ایک دوسرے سے مختلف ہی نہیں بالکل متضاد ہو گئے، اور جیسے جیسے وقت گزرا یہ خلیج عمیق سے عمیق تر اور وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئی۔

مزید برآں، ہندوستان میں اسلام علاقۂ ماوراء النّہر سے آیا تھا جہاں خود مذہبی حلقوں میں مدرسہ وخانقاہ کی تقسیم راسخ ہو چکی تھی اور اُن کے مابین مسابقت ہی نہیں منافرت کا آغاز ہو چکا تھا اور جہاں مدارس میں حنفی فقہ، اشعری وماتریدی عقائد، یونانی فلسفہ ومنطق اور اِن سب کے معجونِ مرکب علمِ کلام کا دور دورہ تھا، اور خانقاہوں میں وحدت الوجود کا سکّہ رواں تھا۔ لہٰذا اسلامی ہند میں مذہب کی عمارت اِن ہی دو ستونوں پر استوار ہوئی، یعنی ایک شدید حنفیت اور دوسرے وجودی تصوف۔

قرآن حکیم یہاں ابتدا ہی سے صرف ایک ’کتابِ مقدس‘ کی حیثیت سے متعارف ہوا اور علمِ حدیث سے یہ سرزمین دیر تک نابلدِ محض رہی‘ اور چونکہ عربی یہاں صرف اعلیٰ علمی حلقوں تک محدود رہی اور عام بول چال‘ تصنیف و تالیف‘ شعر و ادب اور سرکار دربار سب پر فارسی کا قبضہ رہا لہٰذا قرآن و حدیث سے یہ بعد اور دُوری نہ صرف یہ کہ قائم رہی بلکہ مرورِ ایام کے ساتھ مزید بڑھتی چلی گئی۔

اِس غُلُوّ فی الحنفیت اور بُعد عن حدیثِ الرسولؐ کے ضمن میں ایک نہایت دلچسپ لیکن ساتھ ہی حد درجہ عبرت انگیز واقعہ نقل ہوا ہے کہ جب سلطان غیاث الدین تغلق کے دربار میں ایک خاص مسئلے پر شیخ الوقت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور شیخ الاسلام قاضی جلال الدین کے مابین مناظرہ ہوا اور اپنے موقف کے حق میں بطورِ دلیل پیش کرنا چاہا خواجہ نظام الدین نے ایک حدیثِ رسولؐ کو‘ تو بلا کسی جھجک اور تامل کے بھرے دربار میں ڈنکے کی چوٹ کہا شیخ الاسلام نے کہ:

’’تو مقلّدِ ابو حنیفه هستی ‘ تُرابا حدیثِ رسولؐ چه کار؟ قولِ ابی حنیفه بیار!‘‘

’’تم مقلد ابوحنیفہ ہو‘ یعنی حنفی ہو‘ تمہیں حدیثِ رسولؐ سے کیا سروکار؟ اگر امام ابوحنیفہ کا کوئی قول پیش کر سکتے ہو تو کرو!‘‘

جس پر حضرتِ خواجہ نے یہ کہتے ہوئے مناظرہ ختم کر دیا اور دربار سے اٹھ گئے کہ:

’’سبحان الله! که باوجود قولِ مصطفویؐ از من قولِ ابی حنیفهؒ می خواهند!‘‘ (سیر العارفین)

’’سبحان اللہ! نبی اکرم ﷺ کے فرمان کے ہوتے ہوئے مجھ سے امام ابوحنیفہؒ کے قول کا مطالبہ کیا جا رہا ہے!‘‘

اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ اسلامی ہند میں آغاز ہی سے دو حکومتیں قائم ہو گئی تھیں‘ ایک ظاہری حکومت جس کا اقتدار یا زمین پر قائم تھا یا انسانوں کے جسموں پر —— اور دوسری باطنی حکومت جس کا سکہ قلوب کی دنیا میں رواں تھا۔ پہلی حکومت اصلاً ملوک و سلاطین اور امراء و عمایدِ سلطنت کی تھی اور اُن کے ساتھ بطورِ تتمہ یا ضمیمہ منسلک تھے ائمہ و خطباء‘ مدرّسین و معلّمین اور مفتی و قاضی حضرات‘ اور اِس دنیا میں جیسے کہ عرض کیا گیا فقہ ہی کو گویا کل دین کی حیثیت حاصل تھی! جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ متشدّدانہ ظاہر پرستی اور قانونی موشگافی کا دور دورہ ہو گیا اور رفتہ رفتہ دین و مذہب نے بالکل خشک قانونیت کی شکل اختیار کر لی۔

دوسری طرف‘ تصوف کے خانوادوں میں سے ارضِ ہند پر سب سے پہلے چشتی سلسلے نے قدم جمائے اور کم و بیش دو صدیوں تک خواجگانِ چشت ہی کا طوطی بولتا رہا۔ جیسے ہی اِس سلسلے میں قدرے ضعف کے آثار پیدا ہوئے وسطی اور جنوبی ہند میں سہروردیہ اور شطاریہ سلسلوں کو فروغ حاصل ہوا اور شمال مغرب میں خصوصاً موجودہ پاکستان کے وسطی علاقوں میں قادریہ سلسلے نے عروج پایا۔ اِن تمام سلاسل

میں وحدت الوجود کو گویا اصولِ موضوعہ کی حیثیت حاصل تھی اور اِس کے زیرِ اثر کیف وسرور، جذب ومستی اور وجد ورقص کا ذوق وشوق بڑھ رہا تھا اور فنافی اللہ کو شغل وسلوک کے منتہائے مقصود کی حیثیت حاصل ہو رہی تھی جس کے باعث قویٰ مضمحل ہو رہے تھے اور جذبۂ جہاد تو دور رہا جذبۂ عمل بھی سرد پڑتا جا رہا تھا!

مزید برآں — باطنی احوال وکوائف پر توجہ کے ارتکاز کے باعث ظاہر کی اہمیت کم ہوتی جا رہی تھی، طریقت کے عروج کے ساتھ ساتھ شریعت کا استخفاف ہونے لگا تھا، عشق ومحبت کی سرمستی میں پابندیٔ شریعت اور اتباعِ سُنّت پر پھبتیاں کسی جانے لگی تھیں اور ستم بالائے ستم یہ کہ ہمہ اوستی نظریات کے باعث وسیع المشربی اتنی بڑھتی جا رہی تھی کہ رام اور رحمٰن ایک نظر آنے لگے تھے، مسجد ومندر اور دیر وکلیسا میں کوئی فرق نہ رہا تھا، اور ع ''با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام'' پر عمل عام ہو گیا تھا۔ نتیجتاً ملّتِ اسلامی کا جداگانہ تشخص ہی شدید خطرات سے دوچار ہو گیا تھا۔

علمائے ظاہر یا ''حاملانِ دین اور حامیانِ شرعِ متین'' کی جانب سے اِس طرزِ عمل کی مخالفت ایک فطری امر تھا، لیکن اِس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مدرسہ وخانقاہ کی باہمی چشمک رفتہ رفتہ بُغض اور عداوت میں تبدیل ہوتی چلی گئی۔ چنانچہ اسلامی ہند کی پوری تاریخ رجالِ سلطنت اور رجالِ دین کی باہمی کشمکش اور علماء اور صوفیاء کی باہمی آویزش کی مسلسل داستان ہے، جس میں ایک 'بُعدِ رابع' (fourth-dimension) کا اضافہ ہو گیا اوائل عہدِ مغلیہ میں ایران سے شیعیت کی درآمد سے، جس نے گویا جلتی پر تیل کا کام کیا اور اِس کے زیرِ اثر مشرکانہ عقائد وخیالات اور بدعات ورسومات کا ایک سیلاب ارضِ ہند پر آ گیا!

مسلم انڈیا کا سنہرا دور بلاشبہ اُس کا صدرِ اوّل ہی تھا، یعنی دورِ خاندانِ غلاماں، جس میں ملوک، احبار، رہبان کی تثلیث اگرچہ اصولاً تو موجود تھی تاہم ابھی اِس میں نہ تنزل وانحطاط کے آثار نمایاں ہوئے تھے نہ باہمی بُغض وعناد کے، بلکہ جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے نہ صرف یہ کہ باہمی توافق وتعاون موجود تھا بلکہ بعض مثالیں انتہائی حسین امتزاج کی بھی نظر آ جاتی ہیں — لیکن جیسے جیسے زمانہ گزرا، زوال اور پستی کے جانب قدم بڑھتے گئے، اور نہ صرف یہ کہ متذکرہ بالا تثلیث کا گھناؤنا پن بڑھتا چلا گیا، بلکہ اُس کی جڑیں بھی مسلم سوسائٹی میں مزید گہری اترتی چلی گئیں — تا آنکہ مغلِ اعظم شہنشاہِ اکبر کے زمانے میں یہ صورتِ حال اپنے نقطۂ عروج (climax) کو پہنچ گئی، اور حالات کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ عین اُس وقت جب کہ ہندوستان کی سرزمین پر مسلمانوں کا خورشیدِ حکومت نصف النہار پر چمک رہا تھا، اسلام پر انتہائی غربت اور شدید بےکسی وکسمپرسی کی حالت طاری ہو گئی! یہاں تک کہ نام نہاد 'دینِ الٰہی' نے دینِ محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کی کامل بیخ کنی کرنے یا کم از کم اُسے سرزمین ہند سے ملک بدر کر دینے کا بیڑا اٹھا لیا!

یہ دوسری بات ہے کہ فطرت کے اِس اٹل قانون کے مطابق کہ جز رجب اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو اُسی کی

کوکھ سے مد کے آثار جنم لیتے ہیں۔ ہندوستان میں اسلام کے زوال کی انتہا کا یہ دَور سرزمینِ پاک وہند میں اسلام کی نشأۃِ ثانیہ کی تمہید بن گیا! بقول علامہ اقبال ؎

خونِ اسرائیل آجاتا ہے آخر جوش میں   توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰؑ طلسمِ سامری

سولہویں صدی عیسوی کے وسط کے لگ بھگ جب مغلِ اعظم علیہ ما علیہ کے آفتابِ اقتدار نے ابتدائی موانع ومشکلات کی بدلیوں سے نکل کر پوری آب وتاب کے ساتھ چمکنا شروع ہی کیا تھا اور ہندوستان میں اسلام کے انتہائی زوال وانحطاط کے دورِ سیاہ کا آغاز ہونے ہی والا تھا' اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ کے تحت سرزمینِ ہند میں دو خورشیدِ ہدایت بھی طلوع ہوئے: ایک مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ (جن کی ولادت ۱۵۶۴ء میں ہوئی) اور دوسرے: حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (جن کا سنِ ولادت ۱۵۵۱ء ہے) جن کی مصلحانہ ومجدّدانہ مساعی نے حالات کے دھارے کا رخ اِس حد تک موڑ کر رکھ دیا کہ تقریباً چار سو سال کے بعد اسلامی ہند کو غازی اورنگزیب عالمگیرؒ کی ذات میں گویا غازی صلاح الدین ایوبیؒ اور سلطان ناصرالدین محمودؒ کے محاسن کا جامع حکمران نصیب ہوا اور اِس طرح مسلم انڈیا کے اوّل وآخر کے مابین ایک مشابہت اور مماثلت پیدا ہو گئی!

اِن میں سے مقدم الذکر یعنی شیخ مجدد کی مساعی میں پُر جوش مجدّدانہ رنگ نمایاں تھا اور مؤخر الذکر یعنی شیخ محدث کی کوششوں پر خاموش مصلحانہ انداز غالب تھا۔ چنانچہ حالات کے رخ کی فوری تبدیلی میں اصل دخل یقیناً حضرتِ مجدد کی مساعی کو حاصل ہے جب کہ سرزمینِ ہند میں علمِ حدیثِ نبویؐ کا پودا لگانے کی جو خدمت حضرتِ محدث نے سرانجام دی اِس کے اثرات بہت دیرپا اور دوررس ثابت ہوئے۔

حضرتِ مجددؒ کی تجدیدی مساعی کا اصل رخ تصحیح عقائد' ردِّ بدعات' التزامِ شریعت اور اتباعِ سنّت کی جانب تھا —— اور اِس ضمن میں اُنہوں نے رائج الوقت علمی ونظری اور اخلاقی وعملی ہر نوع کی گمراہیوں اور ضلالتوں پر بھرپور تنقید کی۔ چنانچہ تردیدِ شیعیت پر بھی نہ صرف یہ کہ اُن کے مکاتیب میں بہت زور ہے بلکہ ''ردِّ روافض'' کے عنوان سے ایک مستقل رسالہ بھی اُنہوں نے تحریر فرمایا —— اور اگرچہ اُن کی اِن اساسی کوششوں سے بھی 'طریقت' اور 'شریعت' کے بُعد کو کم کرنے اور اِس بڑھتی ہوئی خلیج کے پاٹنے میں بہت مدد ملی' تاہم اِس میدان میں اُن کا اصل کارنامہ فلسفۂ وحدت الوجود کے مقابلے میں نظریۂ وحدت الشہود کی تدوین وترویج ہے' جس نے اِن تمام مفاسد کا سدِّباب کر دیا جو تصوّف کی راہ سے حملہ آور ہو رہے تھے۔ نتیجتاً باطن کے ساتھ ساتھ ظاہر کی اہمیت بھی دوبارہ مسلّم ہوئی' عشق ومحبت کے ساتھ ساتھ اطاعت واتباع کا جذبہ بھی از سرِنو بیدار ہوا' فنا فی اللہ کے بجائے بقا باللہ کو مقصود ومطلوب کا درجہ حاصل

ہوا' جذب وسکر اور مستی و بےخودی کے بجائے جذبۂ عمل اور جوشِ جہاد نمایاں ہوئے — اور اِن سب کا حاصل یہ کہ ہند میں ملّتِ اسلامیہ کا جداگانہ تشخص از سرِ نو مستحکم ہوگیا۔ اور یہ خطرہ ٹل گیا کہ کہیں سرزمینِ ہند میں' جسے مذہبوں اور فلسفوں کے بہت بڑے عجائب گھر کی حیثیت حاصل ہے' دینِ محمدیؐ بھی صرف ماضی کی ایک یادگار بن کر نہ رہ جائے' بقول علامہ اقبال مرحوم:

حاضر ہوا میں شیخ مجددؒ کی لحد پر — وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے — جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملّت کا نگہباں'
اللہ نے بر وقت کیا جس کو خبردار!

سلسلۂ نقشبندیہ' جس کا پودا سرزمین ہند میں حضرتِ مجدد ؒ کے مرشد خواجہ باقی باللہ ؒ کے ہاتھ سے لگا' اصلاً بھی جملہ سلاسلِ طریقت میں سے اَقرب اِلی الشریعت ہے' اور حضرتِ مجددؒ کے ہاتھوں جو عظیم الشان کارنامہ سرانجام پایا اُس کی بنیاد بھی خواجہ باقیؒ باللہ کے ہاتھوں پڑ چکی تھی' تاہم واقعہ یہ ہے کہ اِس میں جو شان حضرتِ مجددؒ نے پیدا کی وہ اُنہی کا حصہ ہے — اور یوں تو بعد میں سلسلۂ نقشبندیہ باقویہ بھی ہندوستان میں جاری رہا اور اُس سے بہت سا خیر پھیلا' لیکن ''ہند میں سرمایۂ ملت کی نگہبانی'' کا فریضہ جس شان کے ساتھ حضرت مجددؒ کے اَحفاد وخلفاء نے ادا کیا اُس میں کوئی دوسرا اُن کے ساتھ شریک نظر نہیں آتا۔ یہاں تک کہ یہی وہ واحد سلسلہ ہے جس کے منسلکین نے ذکر وشغل اور مجاہدہ وریاضت کے علاوہ کلمۂ حق کہنے کی پاداش اور ردِّ بدعت ورفض کے جرم کی سزا کے طور پر حوالۂ زنداں ہونے اور جان پر کھیل جانے کی روایات کو بھی از سرِ نو تازہ کیا۔ گویا ع ''من از سرِ نو جلوہ دہم دار ورسن را!'' (سرمدؔ)

بایں ہمہ' حضرتِ مجددؒ کے یہاں بھی حنفیت میں غلو اُسی شدت کے ساتھ موجود ہے جو مسلم انڈیا کی پوری تاریخ کا جزوِ لاینفک ہے۔ گویا حضرتِ مجددؒ کی مساعی سے اسلام ہند میں اُس مقام تک تو پہنچ گیا جہاں سے (دورِ غلاماں میں) اُس کا آغاز ہوا تھا لیکن ع ''دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تُو!'' کا عمل اِس سے آگے نہ بڑھ سکا۔

البتہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی خدمات کو اِس سمت میں ایک مزید قدم سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ عجیب بات ہے کہ شیخ محدثؒ کی شخصیت بعض پہلوؤں سے تو حضرتِ مجددؒ ہی کی شخصیت کا ظِل معلوم ہوتی ہے' لیکن بعض دوسرے اعتبارات سے اُن کی حیثیت تقریباً ایک ڈیڑھ صدی بعد طلوع ہونے والے

آفتابِ رُشد و ہدایت حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے پیشرو یا مقدمۃ الجیش کی معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ صوفی بھی تھے اور خواجہ باقی باللہؒ ہی کے مرید بھی‘ لیکن اِس کے باوجود کہ اُنہیں بھی وحدتُ الوجود سے بعد تھا وہ اُس کی تردید میں اِس درجہ سرگرم نظر نہیں آتے۔ اِسی طرح وہ حنفی بھی تھے لیکن متشدد نہیں بلکہ فقہ حنفی کا رشتہ حدیثِ رسولؐ کے ساتھ جوڑنے کی سعی اولاً اُنہی سے شروع ہوئی۔ اِن دونوں پہلوؤں سے تو وہ شیخ مجددؒ اور امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے بین بین نظر آتے ہیں‘ لیکن اِس اعتبار سے کہ امام الہندؒ نے اسلام کا رشتہ اُس کی ’اصلِ ثابت‘ یعنی قرآن حکیم کے ساتھ ازسرِنو قائم کرنے کی کوشش کا آغاز کیا اور شیخ محدثؒ نے دین کا تعلق اُس ’اصلِ ثابت‘ کی ’فرعِ اوّل‘ کے ساتھ قائم کرنے کی کوشش کی‘ اُن کی شخصیت حضرت امام الہندؒ کی شخصیت کا مقدمہ یا دیباچہ نظر آتی ہے — اور واقعہ یہ ہے کہ یہی حضرتِ محدث کی اصل خدمت (contribution) ہے کہ اُنہوں نے علمِ حدیث کا پودا سرزمینِ ہند میں لگایا اور حدیثِ رسولؐ کی باقاعدہ درس و تدریس کا بھی آغاز کیا اور اِس سے متعلق تصنیف و تالیف کا بھی! چنانچہ خود اُنہوں نے مشکٰوۃ شریف کا ترجمہ فارسی میں کیا اور اُن کے صاحبزادے شیخ الاسلام نور الحقؒ نے صحیح بخاری کو فارسی میں منتقل کیا۔ مزید برآں اُنہوں نے مشکٰوۃ کی ایک مفصل شرح (**لمعات التنقیح**) عربی زبان میں اور اِس سے بھی زیادہ طویل شرح (اَشِعَّۃُ اللَّمْعَات) فارسی میں تحریر کی‘ علاوہ ازیں اسنادِ حدیث اور اسماء الرجال پر بھی ایک کتاب تصنیف کی اور ”لمعات“ کے مقدمے کے ذریعے بھی علومِ حدیث کا ایک جامع تعارف کرا دیا!

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تجدیدی مساعی کا تفصیلی جائزہ تو ظاہر ہے کہ اِن مختصر شذرات کی حدود سے باہر ہے‘ تاہم یہ عرض کیے بغیر نہیں رہا جاتا کہ دورِ صحابہؓ کے بعد کی پوری اسلامی تاریخ میں اُن کی سی جامعیتِ کبریٰ کی حامل کوئی دوسری شخصیت نظر نہیں آتی‘ اور اِس میں ہرگز کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ وہ واقعتہً دورِ جدید کے فاتح ہیں‘ اور اِس اعتبار سے خواہ یہ کہہ لیا جائے کہ اُنہوں نے حضرتِ مجددؒ اور شیخ محدثؒ دونوں کی مساعی کو منطقی انتہا تک پہنچایا خواہ یہ کہہ لیا جائے کہ وہ دونوں اصلاً امام الہندؒ ہی کی شخصیت کی تمہید تھے‘ کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

چنانچہ ایک طرف حضرت مجددؒ نے ہند میں اُمّتِ مسلمہ کو ازسرِنو ایک مستحکم داخلی تشخص عطا کیا تو شاہ صاحبؒ نے احمد شاہ ابدالی کو دعوت دے کر امت کے خلاف اٹھنے والے سب سے بڑے خارجی طوفان کے مقابلے کا سامان کیا۔ حضرتِ مجددؒ نے ’ردِّ روافض‘ سے جس کام کا آغاز فرمایا تھا اِس کی تکمیل شاہ صاحبؒ نے ”اِزالۃُ الخِفاء عن خلافۃ الخلفاء“ اور ”قُرّۃ العینین فی تفضیل الشیخینؓ“ اور اِن

کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیزؒ نے ''تحفہ اثنا عشریہ'' ایسی کتابوں کی تصنیف سے کی۔ دوسری طرف شیخ محدثؒ نے علمِ حدیث کا جو پودا سرزمین ہند میں لگایا تھا شاہ صاحب اور اُن کے خلفاء نے نہ صرف یہ کہ اُس کی آبیاری کی بلکہ اپنی انتھک کوششوں سے صنم خانۂ ہند کو علمِ حدیثِ نبویؐ کا ایک عظیم الشان چمن بنا دیا۔ عجیب مشابہت ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے مشکوٰۃ المصابیح کی ایک شرح عربی میں لکھی تھی اور ایک فارسی میں۔ اِسی طرح امام الہندؒ نے مؤطا امام مالکؒ کی ایک شرح عربی میں لکھی تھی (المُسوّٰی) اور ایک فارسی میں لکھی (المُصفّٰی)۔ واضح رہے کہ شاہ صاحب کے نزدیک مؤطا امام مالکؒ کو علم حدیث کے ذیل میں اصلِ اوّل کی حیثیت حاصل ہے۔

اِن پر مستزاد ہیں شاہ صاحبؒ کے وہ کارنامے جن کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلام کی نشأۃِ ثانیہ کے طویل عمل کا اصل نقطۂ آغاز اُن ہی کی ذاتِ گرامی ہے:

مثلاً ایک یہ کہ علم فقہ کے میدان میں ایک طرف آپؒ نے ''**عقد الجید فی احکام الاجتهاد والتقلید**'' تصنیف فرمائی جس سے تقلید جامد اور اجتہادِ مطلق کے مابین اعتدال کی راہ واضح ہوئی اور دوسری طرف ''**الانصاف فی بیان سبب الاختلاف**'' ایسی معرکۃ الآراء کتاب لکھی جس نے فقہی اختلافات کی اہمیت کو کم کرنے کے ضمن میں نہایت دوررس نتائج پیدا کیے۔

دوسرے یہ کہ اپنی مشہورِ زمانہ تصنیف ''**حُجة الله البالغه**'' کے ذریعے آپ نے حکمتِ دین کو ایک باقاعدہ علم کی حیثیت دے دی اور اسلام کے نظامِ عقائد' نظامِ عبادات اور نظامِ معاشرت و معاملات کو ایک مربوط اور منضبط نظامِ زندگی کی حیثیت سے پیش کیا جس کی آنے والے دور میں شدید ترین ضرورت پیش آنے والی تھی ــــــ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ نے اسلام کا رشتہ اُس کی اصلِ ثابت یعنی قرآن حکیم کے ساتھ از سرِنو قائم کرنے کے طویل عمل کا باقاعدہ آغاز فرما دیا۔ چنانچہ ایک طرف قرآنِ مجید کے فارسی ترجمے کے ذریعے قرآن کے مطالب و مفاہیم کو عوام تک پہنچانے کا اہتمام کیا ــــ اگرچہ اِس پر اُنہیں شدید مخالفت حتیٰ کہ عوامی یورش تک کا سامنا کرنا پڑا ــــ اور دوسری طرف ''**الفوز الکبیر فی اصول التفسیر**'' کی تصنیف کے ذریعے علمِ تفسیر کو ایک چیستاں کے بجائے ایک باقاعدہ فن کی حیثیت سے متعارف کرایا اور درمیانی استعداد تک کے حامل لوگوں کے لیے فہم قرآن کی راہیں آسان کر دیں۔

شاہ صاحبؒ کے جلیل القدر فرزندوں میں سے دو یعنی شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ رفیع الدینؒ نے قرآن مجید کے بامحاورہ اور لفظی ترجمے کر کے گویا اپنے والدِ مرحوم کے شروع کیے ہوئے کام کو منطقی انتہا تک پہنچا دیا ــــ اور کون کہہ سکتا ہے کہ آج برعظیم پاک و ہند میں علم و فہم قرآن کا جو غلغلہ اور ہمہمہ ہے وہ سب دہلی کے اِسی عظیم خانوادے کی مساعی کا نتیجہ نہیں۔

الغرض ویسے تو امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کا علمی اصلاح وتجدید کا پورا کارنامہ ہی نہایت رفیع اور قابلِ قدر ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اُن کی مساعی کو عالم اسلام میں یورپ کی پوری تحریکِ احیاء العلوم (Renaissance) کا ہم پلہ قرار دیا جا سکتا ہے' لیکن ان کا عظیم ترین کارنامہ یہ ہے کہ اُنہوں نے توجہات کو از سرِنو قرآنِ حکیم کے علم وحکمت کی جانب منعطف کر دیا اور اللہ کی رسی کے ساتھ اُمتِ مُسلمہ کے تعلق کو دوبارہ استوار کرنے کی سعی کا آغاز کر کے گویا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اِس قول کے مطابق کہ "لَا يُصْلَحُ اٰخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِلَّا بِمَا صَلَحَ بِهٖ اَوَّلُهَا" اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کی سعی وجُہد کی راہ کھول دی۔ فجزاهُ اللّٰه احسن الجزاء!

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں امام الہند شاہ والی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کی قرآنی خدمات پر جو جامع تبصرہ شیخ محمد اکرام مرحوم نے اپنی تالیف 'رودِ کوثر' میں کیا ہے وہ ہدیۂ قارئین کر دیا جائے۔ وَهُوَ هٰذا:

''آپ کا سب سے اہم کام قرآن اور علومِ قرآنی کی اشاعت ہے اور اِس سلسلے میں آپ کا بڑا کارنامہ قرآن مجید کا فارسی ترجمہ ہے۔ ہندوستان میں بہت کم لوگ عربی جانتے تھے۔ دفتری اور تعلیمی زبان فارسی تھی' لیکن اِس زبان میں قرآنِ مجید کا کوئی ترجمہ رائج نہ تھا(1)۔ چنانچہ عام تعلیم یافتہ مسلمان گلستان' بوستان' سکندر نامہ اور شاہنامہ تو پڑھتے اور سمجھتے' لیکن قرآنِ مجید سے' جو ہدایات کا سرچشمہ ہے' ناواقف رہتے۔ پرانے علماء اور خواص میں سے قرآنِ مجید اگر کسی نے پڑھا تو ناظرانہ یعنی مفہوم ومعانی سمجھنے اور اُس کی روح وتعلیمات سے فیضیاب ہونے کے بغیر۔ اکبر کے دربار میں جب مسلمان علماء اور پرتگیز مشنریوں میں مباحثے ہوئے اور مشنریوں نے (جو کلام مجید کے لاطینی ترجمے کی وجہ سے اس کے اندراجات سے خوب واقف تھے) کلامِ مجید کے بعض حصوں پر اعتراض کیے تو اُس وقت پتا چلا کہ جن مسلمانوں نے عربی میں قرآن پڑھا بھی تھا اُنہیں بھی اِس کے مضامین اور اندراجات سے پوری طرح واقفیت نہ تھی۔ بسا اوقات یہ ہوتا کہ پادری کلامِ مجید کے کسی بیان پر اعتراض کرتے اور مسلمان کہہ دیتے کہ یہ تو قرآن میں ہے ہی نہیں اور پھر جب کلامِ مجید کھول کے دیکھا جاتا تو وہ حوالے نکلتے۔ شاہ صاحب کو اِس بوالعجبی کا احساس ہوا اور حج سے واپس آنے کے پانچ سال بعد ۳۸-۱۷۳۷ء میں آپ نے فارسی زبان میں کلامِ مجید کا ترجمہ کیا۔ جب علماء کو اِس کا پتا چلا تو تلواریں کھینچ کر آ گئے کہ یہ کلام مجید کی انتہائی بے ادبی ہے۔ بعض

(1) شیخ سعدی کا ایک ترجمہ اب بھی بازار میں ملتا ہے' لیکن شیخ سعدیؒ سے اس کی نسبت مشتبہ ہے اور یقیناً یہ ترجمہ کبھی بھی رائج نہیں ہوا۔ شاہ صاحب سے پہلے مَلِک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی نے سلاطینِ جونپور کے زمانے میں ایک تفسیر بحرِ مواج لکھی تھی' جس میں ہر آیت کی تشریح وتفسیر سے پہلے اُس کا ترجمہ دیا تھا' لیکن ظاہر ہے اِس ترجمے کی حیثیت محض ضمنی اور جزوی تھی اور اُسے کبھی بھی عام مقبولیت نصیب نہ ہوئی۔

سوانح نگار لکھتے ہیں کہ اس مخالفت کی وجہ سے شاہ صاحب کی جان اس طرح خطرے میں پڑ گئی کہ اُنہیں کچھ عرصہ کے لیے دہلی سے چلے جانا پڑا۔ لیکن بالآخر شاہ صاحب کی جرأت اور فرض شناسی کامیاب ہوئی۔ اُنہوں نے لوگوں کو سمجھایا کہ کلام اللہ اس لیے نہیں آیا کہ اِسے ریشمی جز دانوں میں لپیٹ کر طاق پر تبرکاً رکھا جائے یا جس طرح دوسری قومیں منتر پڑھا کرتی ہیں' ہم اِسے طوطے کی طرح بغیر سمجھے پڑھ دیں۔ یہ کتاب انسانی زندگی کے متعلق اہم ترین حقائق کو بے نقاب کرتی ہے۔ اِس کے نازل ہونے کا مقصد یہ تھا کہ لوگ اِسے پڑھیں' اِن حقائق کو اپنی زندگی کا دستور العمل بنائیں اور اِس کے لیے رائج الوقت زبانوں میں اِس کا ترجمہ ضروری ہے۔ چنانچہ آہستہ آہستہ معترضین کی مخالفت کم ہوئی اور نہ صرف شاہ صاحب کے ترجمے نے رواج پایا' بلکہ اردو اور دوسری زبانوں کے ترجموں کی راہ پیدا ہوگئی۔

قرآنِ مجید کا محض ترجمہ کر دینا ہی اِس قدر اہم کام تھا کہ اگر شاہ صاحب فقط اسی کارِ خیر پر اکتفا کرتے اور وہ ابتدائی دشواریاں دور کر دیتے جو عام علماء کی فرض ناشناسی اور کورانہ تقلید کی وجہ سے اُن کے راستے میں حائل تھیں' تب بھی اسلامی تاریخ میں اُن کا نام درخشاں ستارے کی طرح چمکتا' لیکن اُن کا ترجمہ بطورِ خود بلند پایہ اور قابلِ قدر و عظمت ہے۔ ترجمے کی مخالفت بیشتر تو تقلید اور امورِ مذہب میں مغز کو چھوڑ کر اُستخوان کے پیچھے دوڑنے کی وجہ سے تھی' لیکن اس میں شک نہیں کہ قرآنِ مجید کے ترجمے میں ہزاروں دقتیں ہیں۔ ترجمے میں لفظی صحت کو برقرار رکھنا اور اِس کے ساتھ ساتھ قرآن کے بلیغ معانی اور اُس کی ادبی شان کو اِس پر قربان نہ ہونے دینا اِس قدر مشکل ہے کہ آج' جب کہ ہمیں قرآنِ مجید کے ترجموں میں دو سو سال کی مشق ہے اور قوم کے بہترین علماء واُدباء نے اِس قومی خدمت پر توجہ کی ہے' ایک بھی ترجمہ ایسا نہیں' جسے تسلی بخش کہا جا سکے یا جس سے اصل کے زورِ بیان' فصاحت و بلاغت اور روحانی عظمت کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ شاہ ولی اللہؒ کے ترجمے کے متعلق یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ اِس سے بہتر ترجمہ نہیں ہو سکتا اور اصل میں ضرورت یہ ہے کہ مستند اور بلند پایہ ترجمے کے لیے علماء اور اہلِ قلم کی ایک پوری جماعت یہ فرض ادا کرے' لیکن اکثر باتوں میں وہ موجودہ اردو ترجموں سے کہیں بہتر ہے اور اِس میں کوئی شک نہیں کہ قرآنِ مجید کا ترجمہ کرنے والے میں جن خصوصیتوں کی ضرورت ہے' وہ شاہ صاحب سے بڑھ کر آج تک کسی مترجم میں جمع نہیں ہوئیں۔ مولانا نذیر احمد کہتے ہیں: ''فی الحقیقت قرآن کے مترجم ہونے کے لیے جتنی باتیں درکار تھیں' ترجمے سے ثابت ہوتا ہے وہ سب مولانا شاہ ولی اللہؒ میں علیٰ وجہِ الکمال پائی جاتی تھیں۔ سب سے بڑی بات یہ کہ مولانا صاحبؒ کی نظر تفاسیر اور احادیث اور دین کی کتابوں پر ایسی وسیع ہے کہ بس اُنہیں کا حصّہ تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک آیت بلکہ ہر ایک لفظ کی نسبت مفسّرین کے جتنے اقوال ہیں وہ سب اُن کے پیش نظر ہیں اور وہ اُن میں جس کو واضح پاتے ہیں اُسے اختیار کرتے ہیں۔''

شاہ صاحبؒ نے نہ صرف قرآن مجید کا ترجمہ کیا' بلکہ اِس مسئلے کے علمی پہلوؤں پر بھی ایک رسالہ لکھا اور مقدمہ فی ترجمۃ القرآن المجید میں قرآن مجید کے مترجموں کی رہنمائی کے لیے کارآمد ہدایتیں درج کیں۔

شاہ صاحبؒ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: ''اِس بندۂ ضعیف پر خداوند تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں' جن میں سب سے زیادہ عظیم الشان نعمت یہ ہے کہ اُس نے مجھے قرآن مجید سمجھنے کی توفیق عطا فرمائی اور حضرت رسالت مآب ﷺ کے احسانات اِس کمترین اُمت پر بہت ہیں' جن میں سب سے بڑا احسان قرآنِ مجید کی تبلیغ ہے۔''

قرآنِ مجید کی تبلیغ شاہ صاحبؒ نے فقط ترجمہ کر کے ہی نہیں کی' بلکہ علم تفسیر کے متعلق کتابیں بھی لکھیں' جن میں ''الفوز الکبیر فی اُصُول التفسیر'' خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ اِس کتاب کے چار باب ہیں' جن میں علومِ قرآنی اور مطالعۂ قرآن کے مختلف پہلوؤں پر تبصرہ کیا ہے۔ دوسرے باب میں آپ نے مسئلہ نسخ پر مجتہدانہ انداز سے نظر ڈالی ہے اور وہ آیاتِ منسوخہ جن کی تعداد بعض لوگوں کے نزدیک پانچ سو کے قریب تھی اور جن کی تعداد علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے بھی بیس مقرر کی تھی' چار سے زیادہ تسلیم نہیں کیں۔

الفوز الکبیر کے بعض اندراجات سے خیال ہوتا ہے کہ شاہ صاحب قرآنی ارشادات کو وسیع سے وسیع مفہوم دینا چاہتے تھے۔ وہ مختلف آیتوں اور سورتوں کے متعلق اسبابِ نزول کا خیال رکھتے ہیں' لیکن اِس بات کی بھی کوشش کرتے ہیں کہ اِس سے کلامِ مجید کے اصلی مقصد پر پردہ نہ پڑ جائے۔ چنانچہ باب اوّل میں لکھتے ہیں: (ترجمہ)

> ''عام مفسّرین نے ہر ایک آیت کو خواہ مباحثہ کی ہو یا احکام کی' ایک قصے کے ساتھ ربط دیا ہے اور اس قصّے کو اِس آیت کے لیے سببِ نزول مانا ہے' لیکن حق یہ ہے کہ نزولِ قرآنی سے مقصودِ اصلی نفوسِ بشریہ کی تہذیب اور اُن کے باطل عقائد اور فاسد اعمال کی تردید ہے۔ اِس لیے آیاتِ مناظرہ کے نزول کے لیے متکلمین میں عقائد باطلہ کا وجود اور آیاتِ احکام کے لیے اُن میں اعمالِ فاسدہ اور مظالم کا شیوع اور آیاتِ تذکیر کے نزول کے لیے اُن کا بغیر ذکر آلاء اللہ وایام اللہ اور موت و واقعات بعد الموت کے بیدار نہ ہونا' اصلی سبب ہوا۔ خاص واقعات کو جن کے بیان کرنے کی زحمت اٹھائی گئی ہے' اسبابِ نزول میں چنداں دخل نہیں۔ مگر سوائے چند آیات کے جن میں کسی ایسے واقعہ کی جانب اشارہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں یا اِس سے پیشتر واقع ہوا ہو۔''

الفوز الکبیر کی دوسری خصوصیات شاہ صاحب کی انصاف پسندی اور اخلاقی جرأت ہے۔ مثلاً عام طور پر مسلمان زمانۂ جاہلیت کے عربوں سے فقط برائیاں اور عیب ہی منسوب کرتے ہیں' لیکن شاہ صاحب نے اِس معاملے میں بھی ''انصاف بالائے طاعت'' کے اصول کو ملحوظ رکھا اور تصویر

کے دونوں پہلو پیش کیے۔ اِسی طرح عام مسلمانوں کا خیال ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنی اصل مذہبی کتاب کو بدل ڈالا ہے' لیکن شاہ ولی اللہؒ اِس کے قائل نہ تھے۔ وہ لکھتے ہیں: ''یہودی تحریفِ لفظی' تورات کے ترجمے وغیرہ میں کیا کرتے تھے نہ کہ اصل کتاب میں' کیونکہ فقیر کے نزدیک ایسا ہی محقق ہوا ہے اور ابنِ عباسؓ کا بھی یہی قول ہے۔''

بعض مفسّرین نے اہلِ کتاب سے قصے لے کر اُنہیں قرآنی تفاسیر اور علوم اسلامی کا جزو بنا دیا ہے۔ اِس کے خلاف شاہ صاحب نے جا بجا آواز بلند کی ہے۔ مثلاً الفوز الکبیر میں لکھا ہے: ''یہاں پر یہ جان لینا مناسب ہے کہ حضرات انبیاءِ سابقین کے قصے احادیث میں کم مذکور ہیں اور اُن کے وہ لمبے چوڑے تذکرے جن کے بیان کرنے کی تکلیف عام مفسرین کرتے ہیں' وہ سب اِلا ماشاء اللہ علماءِ اہل کتاب سے منقول ہیں''۔ اِسی کتاب میں آگے چل کر پھر لکھتے ہیں: ''اسرائیلی روایات کا نقل کرنا ایک ایسی بلا ہے جو ہمارے دین میں داخل ہوگئی ہے۔ حالانکہ صحیح اصول یہ ہے کہ اُن کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب''۔ مفسرین کے بعض قصے جنہیں عوام اسلام کا ضروری جزو سمجھنے لگ گئے ہیں' شاہ صاحب کو بہت ناپسند تھے۔ فرماتے تھے: ''اور محمد بن اسحاق واقدی کلبی نے قصہ آفرینی میں جس قدر افراط کی ہے (یعنی وہ ہر ایک آیت کے تحت میں ایک قصہ لائے ہیں) محدّثین کے نزدیک اُن کا اکثر حصہ صحیح نہیں اور اُن کے اسناد میں خامیاں ہیں۔ اِن لوگوں کی اِس افراط کو علمِ تفسیر کے لیے شرط سمجھنا صریح غلطی اور اِس کے حفظ پر فہم کتابُ اللہ کو موقوف کرنا دراصل کتابُ اللہ سے اپنا حصہ کھونا ہے۔''

مفسّرین کی یہی ژولیدہ نویسی تھی جس کی وجہ سے شاہ صاحب نے اپنے وصیت نامے میں بھی لکھا کہ قرآن اور اِس کا ترجمہ تفسیر کے بغیر ختم کرنا چاہیے اور پھر اِس کے بعد تفسیر اور وہ بھی تفسیرِ جلالین (بقدر درس) پڑھائی جائے۔ (جو نہایت مختصر ہے اور جس کے الفاظ قرآن کے الفاظ جتنے ہیں۔) وہ لکھتے ہیں: ''قرآنِ عظیم اِس طرح پڑھائیں کہ صرف قرآن اور ترجمہ بغیر تفسیر کے (پڑھا جائے) مگر جہاں شانِ نزول یا قاعدہ نحو مشکل ہو وہاں ٹھہر جائیں اور بحث کریں' بعد اِس کے تفسیرِ جلالین بقدرِ درس پڑھادیں۔'' (ترجمہ)

(ماخوذ از: ''دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر'')

☆ — ☆ — ☆

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت وتبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین
کا اجمالی تجزیہ

از: ڈاکٹر اسرار احمدؒ
ترتیب وتدوین: سید برہان علی۔ حافظ محمد زاہد

سُورۂ یٰسٓ

اس سورۂ مبارکہ سے ہر مسلمان کو قلبی اُنس ہے۔ خصوصاً اس لیے کہ نبی اکرم ﷺ نے اِس کو قرآن مجید کا قلب قرار دیا ہے۔ اس کو پڑھتے اور سنتے ہوئے حقیقتاً ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے دھڑکتا ہوا دل ہو۔ اس کا اپنا ایک اسلوب ہے — جگانے اور ہوش میں لانے والا انداز۔ غالباً یہی سبب ہے کہ جان کنی کے عالم میں حضور ﷺ نے یہ سورۃ پڑھ کر سنانے کی تلقین فرمائی ہے، جس کا ایک فوری فائدہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس عالمِ فانی سے منتقلی کے وقت ایمانی کیفیات واحساسات اگر دبے ہوئے ہیں تو وہ بیدار ہو جائیں اور مرنے والا ایک زندہ اور متحرک ایمان لے کر دوسرے عالم میں داخل ہو۔

''یٰسٓ'' حروف مقطعات سے اس سورہ کا آغاز ہو رہا ہے۔ ''یٰسٓ'' کے بارے میں گمان ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ سے خطاب ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک یہ حضور ﷺ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اسلوبِ بیان اس کی تائید بھی کر رہا ہے:

﴿یٰسٓ ① وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِیْمِ ② اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ③ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ④ تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ⑤ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ⑥﴾

''یٰسٓ، قسم ہے اِس قرآن کی جو حکمت والا ہے، کہ یقیناً آپ اللہ کے رسولوں میں سے ہیں۔ سیدھی راہ پر گامزن ہیں۔ اِس قرآن کا نزول اُس ذات کی طرف سے ہے جو زبردست اور رحیم ہے (یہ آپ پر اس لیے نازل کیا گیا ہے) تاکہ آپ خبردار کریں اُس قوم کو جن کے آباء واَجداد کو خبردار نہیں کیا گیا، سو وہ بے خبر ہیں۔''

یہ اشارہ ہے بنی اسمٰعیل کی جانب کہ جن میں بوجوہ نبوت ورسالت کا سلسلہ ایک عرصے تک بند رہا۔ گویا اہل عرب کہ جو حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد ہیں، ان کے حق میں ایک کلمہ کہا جا رہا ہے کہ اُن کی غفلت کی وجہ یہ ہے کہ

تقریباً ۲۵۰۰ برس کے دوران کوئی نبوت یا کوئی رسالت اس قوم میں نہیں رہی' کہ ان کو خبردار کیا جاتا اور غفلت سے بیدار کیا جاتا۔ یہ غفلت اس انتہا کو پہنچ گئی ہے کہ اب جبکہ ان کے سامنے دعوتِ حق آ گئی ہے تو یہ اس کا انکار کر رہے ہیں۔ چنانچہ اگلی آیات میں ارشاد ہے:

''البتہ ثابت ہو گیا اللہ کا قول ان کی اکثریت پر (یعنی یہ لوگ قانونِ الٰہی کی زد میں آ گئے) اور اب یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈالے پڑے ہوئے ہیں جو ان کی ٹھوڑیوں تک پہنچ گئے ہیں جس کی وجہ سے ان کے سر اوندھے ہو گئے ہیں۔ (یہ اُن کے تکبر کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے کہ گردنوں میں طوق پڑے ہونے کی وجہ سے وہ تن گئی ہیں اور سر اکڑ گئے ہیں) اور ہم نے ایک دیوار ان کے سامنے اور ایک دیوار ان کے پیچھے کھڑی کر دی ہے' پھر ہم نے ان کو پوری طرح ڈھانپ دیا ہے' پس اب یہ دیکھنے والے نہیں ہیں۔ ان کے لیے برابر ہے خواہ آپ ان کو خبردار کریں یا نہ کریں یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ البتہ آپ خبردار کر سکتے ہیں اُن کو جو اتباع کریں اس ذکر کا (یعنی جو قرآن نازل کیا گیا ہے اس کو سمجھیں اور اس کی پیروی کریں) اور بن دیکھے رحمٰن کی خشیت دل میں رکھیں۔ ایسے لوگوں کو خوشخبری سنائیں مغفرت کی اور باعزت اجر کی۔'' (آیات ۶'۱۱)

دوسرے رکوع میں اُس بستی کا ذکر ہوا جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے دو رسول بھیجے' جن کی تکذیب کی گئی' پھر اللہ نے تیسرا رسول بھیجا۔ لیکن ان سے کہا گیا:

﴿مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ⑮﴾

''تم تو ہم جیسے ہی بشر ہو (اس لیے ہم تمہیں رسول نہیں مانتے) اور رحمٰن نے کچھ نہیں اتارا' تم محض جھوٹ بولتے ہو۔''

آگے فرمایا گیا کہ:

''ایک شخص شہر کے کنارے سے دوڑتا ہوا آیا اور اُس نے اپنی قوم کو تلقین کی' کہ رسولوں کا کہنا مانو اور ان کا اتباع کرو جو تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کر رہے ہیں اور خود ہدایت یافتہ ہیں۔ اور کیا ہے مجھے کہ میں اُس کی بندگی نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ کیا میں اس کے سوا کسی اور کو اِلٰہ بنا لوں کہ اگر رحمٰن مجھے کوئی تکلیف دینا چاہے تو مجھے ان کی سفارش کچھ کام نہ آئے اور نہ وہ مجھ کو چھڑا سکیں۔'' (آیات ۱۹ تا ۲۳)

یہ ایک اچھا خاصا خطبہ ہے جو ان صاحب نے دیا اور آخر میں فیصلہ کن انداز میں کہا:

''سن رکھو کہ میں تو تمہارے رب پر ایمان لے آیا۔ (یہ بات اس قوم پر اتنی گراں گزری کہ فوراً اس شخص کو شہید کر دیا گیا) اس شخص سے کہا گیا کہ داخل ہو جاؤ جنت میں! (یہ الفاظ دل پر نقش ہو جانے چاہئیں کہ شہادت کی حقیقت یہ ہے کہ اِدھر آنکھ بند ہوئی اور اُدھر جنت میں کھل گئی۔ فوراً ہی جنت میں داخلے کا پروانہ مل جاتا ہے) اس نے کہا کاش میری قوم کو معلوم ہو جاتا کہ کس طرح میرے رب نے میری مغفرت کی اور مجھے عزت والوں میں بنا دیا۔''

سورۂ یٰسین اور سورۃ السجدہ کا معاملہ یہ ہے کہ ان دونوں سورتوں میں مضامین اتنے گتھے ہوئے ہیں اور ان

کا آہنگ اور بہاؤ (flow) اتنا تیز ہے کہ ان میں سے کوئی چیز منتخب کر کے علیحدہ نکال کر بیان کرنا بہت مشکل کام ہے' چنانچہ پوری سورۃ مکمل طور پر بیان ہونی چاہیے۔ البتہ پانچویں رکوع کی ایک آیت نبی اکرم ﷺ کی شان میں بایں الفاظ آئی ہے: ﴿وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝ۙ۶۹﴾ ''اور ہم نے ان کو شعر گوئی نہیں سکھائی اور نہ ہی یہ ان کے شایانِ شان ہے۔ یہ تو خالص نصیحت ہے اور واضح قرآن''۔ اسی طرح کا مضمون سورۃ الشعراء میں بھی آ چکا ہے کہ اگر تمہارا خیال ہے کہ ہمارے نبی ﷺ شاعر ہیں تو یہ بالکل خام خیالی ہے۔ شاعروں کا کردار اس سورۃ میں کھول دیا گیا تھا۔ یہاں فرمایا گیا کہ ہم نے ان کو شعر سکھایا ہی نہیں۔ عرب میں شاعری کو بڑا بلند مقام حاصل تھا اور یہ بات اچھی نہیں سمجھی جاتی تھی کہ کوئی شخص شاعر نہ ہو' جبکہ نبی اکرم ﷺ کی طبیعت مبارکہ کو شعر سے کوئی مناسبت تھی ہی نہیں۔ اگر کبھی آپ کوئی شعر پڑھتے بھی تو اس میں کوئی غلطی ضرور ہو جاتی تھی۔ تو یہاں فرمایا گیا کہ ہم نے انہیں شعر سکھایا ہی نہیں' یہ ان کے شایانِ شان ہی نہیں ہے۔ یہ تو قرآن مبین ہے اور ذکر و یاددہانی ہے۔ اس قرآن کے دو ہی نتیجے نکلتے ہیں کہ جو زندہ ہیں' جن کی روح ابھی اُن کے قلب میں دفن نہیں ہوئی' خبردار اور ہوشیار ہو جائیں اور کافروں پر حجت قائم ہو جائے۔ (آیات ۶۹ تا ۷۰)

سورۃ کے آخر میں انسان کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ کیا یہ دیکھتا نہیں ہے کہ ہم نے اس کو منی کی ایک بوند سے پیدا کیا' پھر وہ کھلم کھلا جھگڑالو بن گیا (ہم سے جھگڑتا اور حجت بازی کرتا ہے' ہماری کتاب کو رد کرتا ہے اور ہمارے رسول کا استہزا کرتا ہے) ہمارے لیے مثالیں بیان کرتا ہے اور اپنی خلقت کو بھول گیا ہے کہ اس کی خلقت کیسے ہوئی اور اس کی اصل حقیقت کیا ہے۔ بڑے دھڑلے سے کہتا ہے کہ جب ہڈیاں گل سڑ جائیں گی تو کون ان کو زندہ کرے گا؟ اے نبی ﷺ کہہ دیجیے کہ ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے پہلی مرتبہ ان کو پیدا کیا تھا۔ وہ تو ہر طرح کا پیدا کرنا خوب جانتا ہے۔ وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے سبز درخت سے آگ پیدا کر دی پھر تم اس سے (اور آگ) سلگا لیتے ہو۔ کیا جس ہستی نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ اس جیسی کائنات دوبارہ پیدا کر دے؟ کیوں نہیں' یقیناً وہ ماہر خلاق ہے۔ وہ تو جب کسی چیز (کے پیدا کرنے) کا ارادہ کر لیتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس کے قبضہ میں ہر چیز کی حکومت ہے اور اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ (آیات ۷۷ تا ۸۳)

سورۃ الصّٰفّٰت

یہ سورۂ مبارکہ بھی پانچ رکوعوں پر مشتمل ہے' لیکن اس میں آیات چھوٹی ہیں اور روانی بہت تیز ہے۔ سورۂ یٰسین کے بھی پانچ رکوع ہیں اور اس میں ۸۳ آیات ہیں جبکہ اس سورۂ مبارکہ کے پانچ رکوعوں میں ۱۸۲ آیات ہیں۔ سورۃ کا آغاز فرشتوں کی قسموں سے ہو رہا ہے' جس کا اصل مفاد گواہی ہے۔ فرمایا:

﴿وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۝ۙ۱ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۝ۙ۲ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۝ۙ۳ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۝ۭ۴ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۝ۭ۵﴾

''قسم ہے اُن فرشتوں کی جو صفیں باندھے حاضر رہتے ہیں' اور جو جھڑکتے ہیں جیسا کہ جھڑکنے کا حق ہے

(یعنی اُن کے ذریعے سے عذاب نازل کیا جاتا ہے) اور جو ذکر کی تلاوت کرتے رہتے ہیں (اُن سب کو گواہ کر کے یہ بتایا جا رہا ہے کہ) تمہارا معبود بس ایک ہی ہے۔ جو آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کا رب ہے اور رب ہے مشرقوں کا۔''

اگلی آیات میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ شیاطین کو اتنی قدرت نہیں دی گئی کہ وہ فرشتوں کی مجلس میں پہنچ کر کوئی وحی الٰہی کی بات سن پائیں۔ وہ آسمان کے کسی بھی کونے سے اُن کی مجلس کے قریب جانے کی کوشش کرتے ہیں تو فرشتے ان کو دھکے مار کر بھگا دیتے ہیں۔ اگر کوئی شیطان جن ایک آدھ بات اس بھاگ دوڑ میں سن لیتا ہے تو فرشتے شہابِ ثاقب کے ساتھ اس کا پیچھا کرتے ہیں۔ (آیات ۶ تا ۱۰)

آیت ۳۶ میں رسالت کا ذکر ہوا ہے۔ فرمایا: ﴿وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ۝۳۶﴾ ''اور وہ لوگ (استہزائیہ انداز میں) کہتے ہیں کہ کیا ہم چھوڑ دیں اپنے معبودوں کو ایک شاعر دیوانے کے کہنے پر''۔ اس کے جواب میں فرمایا: ﴿ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۳۷﴾ ''(حقیقت یہ ہے کہ) وہ حق لے کر آیا ہے اور اس نے تمام رسولوں (اور ان کی تعلیمات) کی تصدیق کی ہے۔''

اگلی آیات میں منکرین کے انجام کا تذکرہ ہے کہ یاد رکھو تم اپنے انکار کی پاداش میں ایک دردناک عذاب کا مزا ضرور چکھو گے اور تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق بدلہ دیا جائے گا' سوائے ان لوگوں کے کہ جن کو اللہ نے اپنے لیے خالص کر لیا ہے۔ (آیات ۳۸۔۴۰) اس سورۃ میں اس آیت ﴿اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ۝﴾ کی تکرار ہے۔

تیسرے رکوع میں حضرت نوح علیہ السلام کا مختصر ذکر کرنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کچھ تفصیل سے آیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تقریباً ساری زندگی امتحانات میں ہی گزری۔ اپنی برادری کو بتوں کی عبادت سے منع کیا' وہ منع نہ ہوئے تو صنم خانے میں جا کر ان کے سارے بتوں کو توڑ دیا۔ قوم نے آگ میں ڈالا تو بلا تامل کود پڑے۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

اس کے بعد خاص طور پر سب سے زیادہ سخت امتحان کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ بڑھاپے میں ۸۷ برس کی عمر میں حضرت اسمٰعیل کی صورت میں اولاد عطا ہوئی اور سو برس کی عمر میں اس اکلوتے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم ہو رہا ہے۔

آتشِ نمرود سے صحیح وسلامت نکل آنے کے بعد جب ہجرت کا حکم ہوا تو فرمایا: ﴿اِنِّىْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّىْ سَيَهْدِيْنِ ۝۹۹﴾ ''میں اپنے رب کی طرف جاتا ہوں (یہ ہجرت کے لیے استعارہ ہے) وہ مجھے راستہ دے گا''۔ نہ سفری وسائل ہیں' نہ کسی چیز کا پتا ہے' نہ راستوں سے آگاہی ہے' کہاں جانا ہے' کہاں ٹھکانا ہو گا کچھ پتا نہیں۔ اب دل کی گہرائیوں سے یہ دعا ہو رہی ہے: ﴿رَبِّ هَبْ لِىْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۰۰﴾ ''اے ربّ مجھے کوئی نیک بیٹا عطا فرما''۔ آگے ارشاد ہوا: تو ہم نے ان کو ایک بہت حلیم الطبع لڑکے کی بشارت دی۔ (قرآن حکیم میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بارے میں ہمیشہ ''حلیم'' اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کے بارے میں ''علیم'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں) تو جب وہ والد کے ساتھ بھاگ دوڑ کرنے کے قابل ہوئے تو ان سے کہا کہ بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تم کو ذبح کر رہا ہوں تم بتاؤ تمہارا کیا خیال ہے؟ تو اس حلیم الطبع بیٹے نے جواب دیا کہ ابا جان کر گزریے

جس کا آپ کو حکم ہو رہا ہے' آپ مجھے ان شاء اللہ صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ پھر دونوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ یہ ہے اسلام کی حقیقت کہ اللہ کے ہر حکم کے آگے سر کو جھکا دینا۔ یہ اس قدر سخت اور کڑا امتحان تھا کہ ممتحن (اللہ تعالیٰ) خود پکار اُٹھا کہ واقعی یہ بڑا سخت امتحان تھا: ﴿اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ﴾ ''بے شک یہ صریح (سخت) امتحان ہے۔'' (آیات ۷۵۔۱۱۱)

اس کے بعد انبیاء کرام کے ناموں کا ایک گلدستہ ہے' یعنی حضرات اسحٰق' یعقوب' موسیٰ' ہارون' الیاس' لوط اور یونس (علیہم السلام) کا ذکر آیا ہے۔ ہر ایک کے بارے میں دو دو تین تین آیات آئی ہیں۔

سورۂ مبارکہ کی آخری آیات فلسفۂ رسالت کے اعتبار سے نہایت اہم ہیں۔ رسالت کے منصب پر فائز کیے جانے والے اپنے بندوں کے بارے میں ارشاد ہوا:

﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٧١﴾ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿١٧٢﴾ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿١٧٣﴾﴾

''اور بے شک طے شدہ ہے ہمارا قانون اپنے ان بندوں کے بارے میں جو رسول ہیں' کہ لازماً ان کی مدد کی جائے گی' اور ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا۔''

نبوّت اور رسالت کے مابین ایک فرق متفق علیہ ہے کہ نبوت عام ہے اور رسالت خاص۔ ہر نبی رسول نہیں ہوتا لیکن ہر رسول لازماً نبی ہوتا ہے۔ تو رسولوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ ان کی مدد ہو کر رہے گی اور وہ کبھی مغلوب نہیں ہوں گے۔

آخری تین آیات بڑی پیاری اور جامع ہیں جو اکثر لوگوں کو یاد ہوں گی:

﴿سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿١٨٠﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٨١﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٨٢﴾﴾

''پاک ہے تیرا رب جو عزت اور اختیار والا ہے ان تمام چیزوں سے جو یہ لوگ بیان کر رہے ہیں (جو گھٹیا تصوّرات انہوں نے اللہ کی ذات سے وابستہ کر لیے ہیں اللہ ان سے پاک ہے)۔ اور سلام ہو تمام رسولوں پر' اور کُل حمد و ثنا اُس اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا ربّ ہے۔''

سورۂ صٓ

یہ سورۂ مبارکہ ان تین سورتوں میں سے ایک ہے جن کا آغاز صرف ایک حرفِ مقطعہ سے ہوتا ہے: صٓ' قٓ اور نٓ۔ یہ بات نوٹ کر لیں کہ پورے قرآن مجید میں ایک حرف کو کہیں آیت نہیں بنایا گیا۔ دورِ نبوت کی ابتدا میں محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر جب سردارانِ قریش میں کھلبلی مچی ہوئی تھی' ان حالات میں یہ سورۃ نازل ہوئی۔ آغاز میں فرمایا: قرآن کی قسم جو ذکر' نصیحت اور یاددہانی سے بھرا ہوا ہے' کہ جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ غرور اور گھمنڈ میں ہیں اور ان میں عداوت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ حالانکہ ہم نے ان سے پہلے کتنوں کو ہلاک و برباد کیا پھر وہ پکارنے لگے اور ان کے پاس نجات کا وقت نہ رہا۔ انہیں اس بات پر تعجب ہوتا ہے کہ ان

کے پاس انہی میں سے ایک خبردار کرنے والا آیا ہے جس کو یہ منکرین ساحر اور جھوٹا کہنے کی جسارت کر رہے ہیں۔ وہ ان کو ایک اللہ واحد کی دعوت دیتا ہے تو یہ اس کو بڑی تعجب والی بات سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں چلو چلو اپنے معبودوں پر ڈٹے اور جمے رہو یقیناً اس کے پیچھے کوئی مقصد ہے۔ ہم نے تو اس سے پہلے ایسی باتیں نہیں سنیں، یہ یقیناً کوئی مقصد رکھتے ہیں اور اپنا غلبہ چاہتے ہیں اور گھڑی ہوئی باتیں پیش کر رہے ہیں۔ (آیات ۱۔۷)

دوسرے رکوع میں حضرت داوٗد علیہ السلام کا تفصیل سے تذکرہ ہے اور خاص طور پر ان کے ایک فیصلے کا ذکر ہے۔ فرمایا:

''اور کیا پہنچی ہے آپ کو خبر اُن دعوے والوں کی جب وہ دیوار پھاند کر عبادت خانے میں داخل ہوئے تھے۔ جب وہ داوٗد کے سامنے ہوئے تو وہ ان سے گھبرایا۔ وہ بولے آپ گھبرائیے مت! ہم تو دو فریقِ مقدمہ ہیں، ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے تو آپ فیصلہ کر دیں ہمارے درمیان حق کے ساتھ اور بے انصافی نہ کیجیے اور ہمیں سیدھی راہ بتا دیجیے۔ یہ میرا بھائی ہے، اس کی ۹۹ دنبیاں ہیں اور میری ایک دنبی اور یہ کہتا ہے کہ اپنی ایک دنبی بھی مجھے دے دو اور زبردستی کرتا ہے مجھ پر۔ آپ نے فرمایا: یہ واقعتاً ناانصافی کرتا ہے تجھ سے تیری دنبی مانگ کر۔'' (آیات ۲۱۔۲۴)

بعد ازاں حضرات سلیمان اور ایوب (علیہما السلام) کا مختصراً ذکر ہوا ہے۔ پانچویں رکوع میں قصہ آدم و ابلیس بیان ہوا ہے۔ قرآن حکیم میں اس مقام پر یہ واقعہ ساتویں اور آخری بار آیا ہے۔ یہاں پر شیطان کا قول نقل ہوا ہے: ﴿ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ؕ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ۝۷۶ ﴾ ''میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے اور اس کو مٹی سے بنایا ہے (تو پھر میں اس کو کیوں سجدہ کروں)''۔ یہ تھا وہ غرور اور تکبر جو آدم کو سجدہ کرنے میں مانع ہوا۔ پھر اس نے دھمکی دی اللہ کی عزت کی قسم کھا کر کہ میں ان سب کو گمراہ کر کے رہوں گا سوائے ان بندوں کے جن کو تو نے خالص کر لیا ہے اپنے لیے۔ ان پر میرا کوئی داؤ نہیں چلے گا۔ اللہ رب العزت نے فرمایا کہ حق بات یہ ہے اور میں تو حق ہی کہتا ہوں کہ میں بھی جہنم کو بھر کر رہوں گا تجھ سے اور تیرے پیروکاروں سے۔'' (آیات ۷۲۔۸۵)

آخری آیات میں نبی اکرم ﷺ سے کہلوایا جا رہا ہے کہ ان سے کہہ دیجیے کہ میں تم سے کوئی اُجرت طلب نہیں کر رہا ہوں اور نہ ہی میں بناوٹ اور تکلّف و تصنّع والا انسان ہوں۔ میری زندگی تمہارے سامنے ہے۔ اور یہ (قرآن) تو تمام جہان والوں کے لیے یاد دہانی ہے۔ عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ جو خبریں اس میں دی جا رہی ہیں وہ سب حق ہیں۔ (آیات ۸۶۔۸۸)

❁ ❁ ❁

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا

ترجمۂ قرآن مجید

مع صرفی و نحوی تشریح

افادات: حافظ احمد یار مرحوم

ترتیب و تدوین: لطف الرحمٰن خان

سورۃ النساء

آیت ۱۱

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۤ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ
ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؕ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا
تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ
اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ
اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱﴾

ث ل ث

ثَلَثَ يَثْلُثُ (ن) ثَلْثًا : کسی چیز کا تیسرا حصہ لینا' ایک تہائی لینا۔

ثَلَاثٌ (اسماء العدد): تین ۔ ﴿خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ﴾ (الزمر:٦) ''ایک پیدائش کے بعد دوسری پیدائش تین اندھیروں میں''۔ ﴿فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ﴾ (البقرۃ:١٩٦) ''تو تین دن کا روزہ رکھنا ہے حج میں۔''

ثَلَاثُوْنَ: تیس ۔ ﴿وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً﴾ (الاعراف:١٤٢) ''اور ہم نے وعدہ کیا موسیٰ سے تیس راتوں کا۔''

ثُلُثٌ : کسی چیز کا تیسرا حصہ' ایک تہائی ۔ آیت زیر مطالعہ۔

ثَالِثٌ : ترتیب میں تیسرا ۔ ﴿قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ﴾ (المائدۃ:٧٣) ''انہوں نے کہا کہ اللہ تین کا

تیسرا ہے۔"

ثُلَاثُ: تکرار کا عدد ہے۔ تین تین۔ سورۃ النساء کی آیت ۳ دیکھیں۔

ث ن ی

ثَنَی یَثْنِیْ (ض) ثَنْیًا: کسی چیز کو تہہ کرنا' دوہرا کرنا۔ ﴿اِنَّهُمْ یَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ﴾ (ھود:۵) "بے شک وہ لوگ دہرا کرتے ہیں اپنے سینوں کو۔"

ثَانٍ (فَاعِلٌ کا وزن): (۱) دہرا کرنے والا۔ (۲) ترتیب میں دوسرا۔ ﴿ثَانِیَ عِطْفِهٖ﴾ (الحج:۹) "اپنی گردن کو دہرا کرنے والا ہوتے ہوئے"۔ ﴿اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ﴾ (التوبۃ:۴۰) "جب نکالا آپؐ کو ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا' دو کا دوسرا ہوتے ہوئے۔"

اِثْنَانِ مؤنث اِثْنَتَیْنِ (ان میں ہمزۃ الوصل ہے): اسماء العدد میں سے ہے۔ دو۔ ﴿لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَیْنِ اثْنَیْنِ ۚ﴾ (النحل:۵۱) "تم لوگ مت بناؤ دو الٰہ۔"

مَثْنٰی (مَفْعَلٌ کا وزن ہے اور تکرار کا عدد): دو دو۔ سورۃ النساء آیت ۳ دیکھیں۔

مَثَانِیْ (مَفَاعِلُ کے وزن پر یہ مَثْنٰی کی جمع ہے): بار بار دہرانا' پھر اسم المفعول کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ بار بار دہرایا جانے والا۔ ﴿وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ﴾ (الحجر:۸۷) "اور بے شک ہم نے دیا ہے آپؐ کو سات یعنی سات آیتیں بار بار دہرائی جانے والی۔"

اِسْتَثْنٰی یَسْتَثْنِیْ (استفعال) اِسْتِثْنَاءً: کسی اصول سے کسی کو الگ کرنا' مستثنیٰ کرنا۔ ﴿اِذْ اَقْسَمُوْا لَیَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِیْنَ ⑰ وَلَا یَسْتَثْنُوْنَ ⑱﴾ (القلم) "جب ان لوگوں نے قسم کھائی کہ وہ لازماً کاٹیں گے اس کو (یعنی کھیت کو) صبح ہوتے ہی۔ اور انہوں نے استثناء نہیں کیا' یعنی ان شاء اللہ نہیں کہا۔"

ن ص ف

نَصَفَ یَنْصُفُ ۔ نَصَفَ یَنْصِفُ (ن۔ض) نَصْفًا: کسی چیز کا برابر دو حصوں میں ہونا۔ (۱) آدھا ہونا۔ (۲) برابر ہونا۔

نِصْفٌ: آدھا حصہ۔ آیت زیر مطالعہ۔

اَنْصَفَ (افعال) اِنْصَافًا: کسی چیز کے برابر دو حصے کرنا۔ (۱) آدھا کرنا۔ (۲) برابر کرنا' انصاف کرنا۔ اس باب سے کوئی لفظ قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

س د س

سَدَسَ یَسْدُسُ ۔ سَدَسَ یَسْدِسُ (ن۔ض) سَدْسًا: چھٹا ہونا' چھٹا حصہ لینا۔

سُدُسٌ: چھٹا حصہ (یعنی کسی چیز کے برابر چھ حصے کیے جائیں تو ایک حصہ پوری چیز کا چھٹا حصہ ہوگا)۔ آیت زیر مطالعہ۔

سَادِسٌ: ترتیب میں چھٹا۔ ﴿وَیَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ کَلْبُهُمْ﴾ (الکھف:۲۲) "وہ لوگ کہیں گے پانچ ہیں' ان کا چھٹا ان کا کتا ہے۔"

ء خ و

اَخَی یَخِی (ن) اُخُوَّۃً : (۱) ماں، باپ یا کسی ایک کی طرف سے نسبی بھائی ہونا۔ (۲) دودھ شریک بھائی ہونا۔ (۳) معنی کے لحاظ سے بھائی ہونا۔ ہم عقیدہ یا ساتھی ہونا۔

اَخٌ : یہ دراصل اَخَوٌ ہے جو قاعدے کے مطابق تبدیل ہو کر اَخٌ استعمال ہوتا ہے (آسان عربی گرامر، حصہ سوم، پیراگراف ۱۳:۷۷)۔ بھائی، نسبی دودھ شریک اور معنوی، ہر طرح کے بھائی کے لیے آتا ہے۔ جب یہ مضاف بنتا ہے تو اس کی رفعی، نصبی اور جری حالت اَخُوْ، اَخَا اور اَخِیْ ہوتی ہے۔ ﴿اِنْ یَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ﴾ (یوسف:۷۷) ''اگر اس نے چوری کی تو چوری کر چکا ہے اس کا بھائی اس سے پہلے۔'' ﴿اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ﴾ (الشعراء:۱۰۶) ''جب کہا ان سے ان کے بھائی نوحؑ نے۔'' ﴿قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ﴾ (الاعراف:۱۱۱) ''انہوں نے کہا کہ ٹال دو اس کو اور اس کے بھائی کو۔'' ﴿فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ﴾ (البقرۃ:۱۷۸) ''تو وہ جو معاف کیا گیا جس کے لیے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ بھی۔''

اَخَوَانِ : یہ اَخٌ کا تثنیہ ہے۔ ﴿فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ ۚ﴾ (الحجرات:۱۰) ''پس تم لوگ صلح کراؤ اپنے دونوں بھائیوں کے مابین۔''

اِخْوَانٌ : یہ اَخٌ کی جمع ہے۔ ﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ﴾ (بنی اسراء یل:۲۷) ''یقیناً بے جا خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔''

اِخْوَۃٌ (اسم الجمع): اس میں بھائی بہن سب شامل ہیں۔ ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ (الحجرات:۱۰) ''کچھ نہیں سوائے اس کے کہ تمام مؤمن آپس میں بھائی بہن ہیں۔''

اُخْتٌ ج اَخَوَاتٌ : بہن۔ ﴿يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ﴾ (مریم:۲۸) ''اے ہارون کی بہن۔'' ﴿اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ﴾ (النور:۶۱) ''یا اپنے بھائیوں کے گھروں میں یا اپنی بہنوں کے گھروں میں۔''

د ر ی

دَرٰی یَدْرِیْ (ض) دِرَایَۃً : کسی چیز کا عرفان حاصل کرنا، جاننا، سمجھنا۔ آیت زیر مطالعہ۔

اَدْرٰی یُدْرِیْ (افعال) اِدْرَاءً : کسی کو کسی چیز کا عرفان دینا۔ ﴿لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ﴾ (یونس:۱۶) ''اگر اللہ چاہتا تو میں اسے پڑھ کر نہ سناتا تم لوگوں کو اور نہ وہ باخبر کرتا تم کو اس سے۔'' وَمَا اَدْرٰىكَ اور وَمَا يُدْرِيْكَ عربی محاورے ہیں۔ ان کا لفظی ترجمہ ہے ''اور اس نے کیا بتایا تم کو''۔ ''اور وہ کیا بتاتا ہے تم کو''۔ لیکن اس میں ان کا مفہوم ہے ''اور تم کیا جانو۔ اور تم کیا جانتے ہو''۔

ترکیب: ''مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ'' مرکب اضافی ہے اور مبتدأ مؤخر ہے، اس کی خبر محذوف ہے، جبکہ ''لِلذَّكَرِ'' قائم مقام خبر مقدم ہے۔ ''ثُلُثَا مَا'' بھی مرکب اضافی ہے، اس لیے ''ثُلُثَانِ'' کا نون اعرابی گرا ہوا ہے۔ ''وَرِثَ'' کا فاعل ''اَبَوٰهُ'' ہے۔ ''دَيْنٍ'' کی جر بتا رہی ہے کہ یہ ''مِنْ بَعْدِ'' پر عطف ہے۔ ''اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ'' مبتدا ہیں اور آگے پورا جملہ اس کی خبر ہے۔ ''نَفْعًا'' تمیز ہے اور فَرِيْضَةً حال ہے۔

ترجمہ:

يُوْصِيْكُمُ : تاکید کرتا ہے تم کو
اللّٰهُ :اللہ
فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ :تمہاری اولاد (کے بارے) میں
لِلذَّكَرِ :مذکر کے لیے
مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ :دو مؤنث کے حصے کی مانند
فَاِنْ كُنَّ :پھر اگر ہوں
نِسَآءً : کچھ عورتیں
فَوْقَ اثْنَتَيْنِ :دو سے اوپر
فَلَهُنَّ :تو ان کے لیے ہے
ثُلُثَا :اس کا دو تہائی
مَا :جو
تَرَكَ :اس نے چھوڑا
وَاِنْ كَانَتْ :اور اگر ہو
وَاحِدَةً :ایک (مؤنث)
فَلَهَا :تو اس کے لیے ہے
النِّصْفُ :آدھا
وَلِاَبَوَيْهِ :اور اس کے ماں باپ کے لیے
لِكُلِّ وَاحِدٍ :ہر ایک کے لیے
مِّنْهُمَا :ان دونوں میں سے
السُّدُسُ :چھٹا حصہ ہے
مِمَّا :اس میں سے جو
تَرَكَ :اس نے چھوڑا
اِنْ كَانَ :اگر ہو
لَهٗ :اس کی
وَلَدٌ :کوئی اولاد
فَاِنْ :پھر اگر
لَّمْ يَكُنْ :نہ ہو
لَّهٗ :اس کی
وَلَدٌ :کوئی اولاد
وَّوَرِثَهٗٓ :اور وارث ہوں اس کے
اَبَوٰهُ :اس کے ماں باپ
فَلِاُمِّهِ :تو اس کی ماں کے لیے ہے
الثُّلُثُ : ایک تہائی
فَاِنْ كَانَ :پھر اگر ہوں
لَهٗٓ :اس کے
اِخْوَةٌ :بھائی بہن
فَلِاُمِّهِ :تو اس کی ماں کے لیے ہے
السُّدُسُ :چھٹا حصہ
مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ :اس وصیت کے بعد
يُّوْصِيْ :اس نے وصیت کی
بِهَآ :جس کی
اَوْ دَيْنٍ :یا کسی قرضے (کی ادائیگی) کے بعد
اٰبَآؤُكُمْ :تمہارے ماں باپ
وَاَبْنَآؤُكُمْ :اور تمہارے بیٹے
لَا تَدْرُوْنَ :تم نہیں جانتے
اَيُّهُمْ :ان میں سے کون
اَقْرَبُ :زیادہ قریب ہے
لَكُمْ :تمہارے لیے
نَفْعًا :بلحاظ نفع کے
فَرِيْضَةً :فرض ہوتے ہوئے
مِّنَ اللّٰهِ :اللہ (کی طرف) سے
اِنَّ اللّٰهَ :بے شک اللہ
كَانَ عَلِيْمًا :جاننے والا ہے
حَكِيْمًا :حکمت والا ہے

نوٹ ۱: آیت زیرِ مطالعہ میں گنتی کے کچھ الفاظ آئے ہیں' ان کو **أسماء العدد** کہتے ہیں۔ ان کے استعمال کے کچھ قواعد ہیں جن کی تفصیل کتاب ''عربی کا معلّم'' حصہ چہارم میں دی ہوئی ہے۔ ان میں سے چند ابتدائی باتیں درج ذیل ہیں:

(۱) پہلے یہ سمجھ لیں کہ آج کل عربی میں گنتی لکھنے کے جو ہندسے ہیں' یعنی ۱۔۲۔۳ وغیرہ' ان کو اَرقامِ ہندیہ کہتے ہیں۔ عربی کے اصل ہندسے 1-2-3 وغیرہ ہیں اور ان کو اَرقامِ عربیہ کہتے ہیں۔ اہلِ یورپ نے اندلس کے مسلمانوں سے یہ ہندسے سیکھے تھے۔

(۲) ایک اور دو کی گنتی کے لیے اسم العدد اور معدود مرکب توصیفی کی طرح آتے ہیں' اس لیے جنس کے لحاظ سے بھی ایک دوسرے کے مطابق ہوتے ہیں۔ جیسے قَلَمٌ وَاحِدٌ' وَرَقَةٌ وَاحِدَةٌ اور قَلَمَانِ اثْنَانِ' وَرَقَتَانِ اثْنَتَانِ۔

(۳) تین سے دس تک کی گنتی کے لیے اسم العدد مضاف اور معدود مضاف الیہ کی طرح آتے ہیں اور جنس میں ایک دوسرے کے برعکس ہوتے ہیں۔ جیسے تِسْعَةُ مُعَلِّمِيْنَ اور تِسْعُ مُعَلِّمَاتٍ۔

(۴) اگر ہم کہیں کہ ''گھڑ سوار دو دو' تین تین' چار چار ہو کر آئے'' اور اس کا عربی ترجمہ اس طرح کریں جَاءَ تِ الْفُرْسَانُ اثْنَيْنِ اثْنَيْنِ ثَلٰثَةً ثَلٰثَةً اَرْبَعَةً اَرْبَعَةً تو یہ ترجمہ درست ہوگا' لیکن عربی میں اس کا رواج نہیں ہے۔ نوٹ کریں کہ اس ترجمے میں اسماء العدد حال ہونے کی وجہ سے حالتِ نصبی میں آئے ہیں۔ عدد کے تکرار کے لیے ایک ایک کا مفہوم ادا کرنے کے لیے عام طور پر فُرَادَ آتا ہے۔ دو دو کے لیے اِثْنَانِ کو مَفْعَلُ کے وزن پر مَثْنٰی لاتے ہیں۔ جبکہ تین تین سے نو نو کے لیے اسم العدد کو فُعَالٌ کے وزن پر استعمال کرتے ہیں۔ جیسے ثُلَاثُ اور رُبَاعُ وغیرہ۔

نوٹ ۲: اس سورہ میں مختلف مقامات پر وراثت کے متعلق متعدد آیات آئی ہیں۔ ان کے حوالے سے اسلام کے قانونِ وراثت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ایسی تمام آیات کو یکجا کر کے متعلقہ احادیث اور فقہاء کے اقوال کی روشنی میں ان کا مطالعہ کیا جائے۔ کسی ایک آیت یا چند آیات کے حوالے سے قانونِ وراثت کو سمجھنے کی کوشش ایک سعی لاحاصل ہے۔ اس لیے ان اسباق میں قانون وراثت کی وضاحت شامل نہیں ہوگی۔

آیت ۱۲

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا
تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ
وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ
وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ

فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾

ر ب ع

رَبَعَ يَرْبُعُ (ن) رَبْعًا : کسی چیز کا چوتھا حصہ لینا' ایک چوتھائی لینا۔

اَرْبَعٌ: اسماء العدد میں سے ہے۔ چار۔ ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ۭ﴾ (النور:٤٥) ''اور ان میں سے وہ بھی ہے جو چلتا ہے چار پر یعنی چار ٹانگوں پر۔''

اَرْبَعِيْنَ : چالیس۔ ﴿وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً﴾ (البقرۃ:٥١) ''اور جب ہم نے وعدہ کیا موسیٰ سے چالیس راتوں کا۔''

رُبُعٌ :کسی چیز کا چوتھا حصہ' ایک چوتھائی۔ آیت زیر مطالعہ۔

رَابِعٌ :ترتیب میں چوتھا۔ ﴿سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ﴾ (الکھف:٢٢) ''وہ لوگ کہیں گے تین ہیں اور چوتھا ان کا کتا ہے۔''

رُبَاعُ (تکرار کا عدد) :چار چار۔ سورۃ النساء کی آیت ۳ دیکھیں۔

ك ل ل

كَلَّ يَكِلُّ (ض) كَلًّا :(۱) تھکنا (بہت کام کرنے کی وجہ سے)۔ والد اور اولاد کے بغیر ہونا۔

كَلٌّ (اسم ذات بھی ہے) :تھکا دینے والی چیز' بوجھ۔ ﴿وَهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ﴾ (النحل:٧٦) ''اور وہ ایک بوجھ ہے اپنے آقا پر۔''

كَلَّا: بوجھ یا تھکاوٹ کی نفی سے عام ہے۔ کسی بھی چیز کی کامل نفی کے لیے آتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ ﴿كَلَّا ۭ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ﴾ (مریم:٧٩) ''ہرگز نہیں۔ ہم لکھیں گے اس کو جو وہ کہتا ہے۔''

كُلٌّ: (۱) سب کے سب۔ ہر ایک۔ ﴿بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾﴾ (البقرۃ) ''بلکہ اس کا ہی ہے وہ' جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ سب کے سب اس کی ہی فرمانبرداری کرنے والے ہیں۔''

كُلَّمَا: اس میں مَا ظرفیہ ہے اور كُلَّ اس کا مضاف ہے۔ ظرف کے تکرار کا مفہوم دیتا ہے۔ جب کبھی' جب بھی۔ ﴿كُلَّمَآ اَضَاۗءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ڎ﴾ (البقرۃ:٢٠) ''جب کبھی روشنی ہوتی ہے ان کے لیے تو وہ لوگ چلتے ہیں اس میں۔''

كَلٰلَةً :ایسی میت جس کی اولاد اور والد زندہ نہ ہوں۔ آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب: ''تَرَكَ'' کا فاعل ''اَزْوَاجُكُمْ'' عاقل کی جمع مکسر ہے' جس کا فعل واحد مذکر اور واحد مؤنث' دونوں طرح آ سکتا ہے۔ البتہ آگے ''يَكُنْ'' اور ''لَهُنَّ'' آیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہاں ''اَزْوَاجُكُمْ'' (تمہارے جوڑے) سے مراد تمہاری بیویاں ہیں۔ ''دَيْنٍ'' کی جر بتا رہی ہے کہ یہ ''وَصِيَّةٍ'' پر

عطف ہے۔ ’’وَاِنْ كَانَ‘‘ میں ’’كَانَ تامّہ‘‘ ہے۔ ’’رَجُلٌ‘‘ اور ’’اَوِ امْرَاَةٌ‘‘ اس کے فاعل ہیں اور نکرہ موصوفہ ہیں۔ ’’يُوْرَثُ كَلٰلَةً‘‘ صفت ہے۔ ثلاثی مجرد میں ’’وَرِثَ‘‘ لازم ہے‘ جس کا مجہول نہیں بن سکتا۔ اس لیے ’’يُوْرَثُ‘‘ باب افعال کا مجہول ہے۔ اس کا نائب فاعل اس میں شامل ’’هُوَ‘‘ کی ضمیر ہے جو ’’رَجُلٌ‘‘ اور ’’اِمْرَاَةٌ‘‘ کے لیے ہے۔ ’’كَلٰلَةً‘‘ ان کا حال ہے۔ ’’كَانُوْا‘‘ کا اسم اس میں شامل ’’هُمْ‘‘ کی ضمیر ہے جو ’’اَخٌ‘‘ اور ’’اُخْتٌ‘‘ کے لیے ہے اور اس کی خبر ’’اَكْثَرَ‘‘ ہے۔ ’’وَصِيَّةٍ‘‘ کا حال ہونے کی وجہ سے ’’غَيْرَ مُضَآرٍّ‘‘ حالتِ نصبی میں آیا ہے۔

ترجمہ:

وَلَكُمْ: اور تمہارے لیے — نِصْفُ مَا: اس کا آدھا ہے جو
تَرَكَ: چھوڑا — اَزْوَاجُكُمْ: تمہاری بیویوں نے
اِنْ: اگر — لَّمْ يَكُنْ: نہ ہو
لَّهُنَّ: ان کا — وَلَدٌ: کوئی بچہ
فَاِنْ: پھر اگر — كَانَ: ہو
لَهُنَّ: ان کا — وَلَدٌ: کوئی بچہ
فَلَكُمُ: تو تمہارے لیے — الرُّبُعُ مِمَّا: اس میں سے چوتھائی حصہ ہے جو
تَرَكْنَ: انہوں نے چھوڑا — مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ: اس وصیت کے بعد
يُّوْصِيْنَ: انہوں نے وصیت کی — بِهَآ: جس کی
اَوْ دَيْنٍ: یا کسی قرضے کے بعد — وَلَهُنَّ: اور ان کے لیے
الرُّبُعُ مِمَّا: اس میں سے چوتھائی حصہ ہے جو — تَرَكْتُمْ: تم نے چھوڑا
اِنْ: اگر — لَّمْ يَكُنْ: نہ ہو
لَّكُمْ: تمہارا — وَلَدٌ: کوئی بچہ
فَاِنْ: پھر اگر — كَانَ: ہو
لَكُمْ: تمہارا — وَلَدٌ: کوئی بچہ
فَلَهُنَّ: تو ان کے لیے — الثُّمُنُ مِمَّا: اس میں سے آٹھواں حصہ ہے جو
تَرَكْتُمْ: تم نے چھوڑا — مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ: اس وصیت کے بعد
تُوْصُوْنَ: تم نے وصیت کی — بِهَآ: جس کی
اَوْ دَيْنٍ: یا کسی قرضے کے بعد — وَاِنْ: اور اگر
كَانَ: ہو — رَجُلٌ: کوئی ایسا مرد
يُّوْرَثُ: جس کا وارث بنایا جاتا ہے — كَلٰلَةً: اس حال میں کہ وہ کلالہ تھا

اَوِ امْرَاَةٌ :یا کوئی ایسی عورت ہو	وَّلَهٗٓ :اور اس کا
اَخٌ :ایک (اخیافی) بھائی	اَوْ :یا
اُخْتٌ :ایک (اخیافی) بہن ہے	فَلِكُلِّ وَاحِدٍ :تو ہر ایک کے لیے
مِّنْهُمَا :ان دونوں میں سے	السُّدُسُ :چھٹا حصہ ہے
فَاِنْ :پھر اگر	كَانُوْٓا :وہ (لوگ) ہوں
اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ :اس سے زیادہ	فَهُمْ :تو وہ (لوگ)
شُرَكَآءُ :شریک ہیں	فِي الثُّلُثِ :ایک تہائی میں
مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ :اس وصیت کے بعد	يُّوْصٰى :وصیت کی گئی
بِهَآ :جس کی	اَوْ دَيْنٍ :یا کسی قرضے کے بعد
غَيْرَ مُضَآرٍّ :بغیر نقصان دینے والی ہوتے ہوئے	وَصِيَّةً :تاکید ہوتے ہوئے
مِّنَ اللّٰهِ :اللہ (کی طرف) سے	وَاللّٰهُ :اور اللہ
عَلِيْمٌ :جاننے والا ہے	حَلِيْمٌ :بردبار ہے

نوٹ:لغوی اعتبار سے ایسی میت کو بھی کلالہ کہتے ہیں جس کا والد اور اولاد نہ ہو‘ اور میت کے والد اور اولاد کے علاوہ جو وارث ہوں‘ ان کو بھی کلالہ کہتے ہیں۔لیکن اس آیت اور اس سورۃ کی آخری آیت کا سیاق وسباق بتا رہا ہے کہ ان میں کلالہ کا لفظ میت کے لیے آیا ہے۔اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ سے كَلٰلَةٌ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ ”وہ‘ جو مرا اس حال میں کہ نہیں ہے اس کی کوئی اولاد اور نہ ہی والد“۔(مفردات القرآن)

آیات ۱۳۔۱۴

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ؀ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ؀

ترکیب:”مَنْ“شرطیہ ہے۔شرط ہونے کی وجہ سے ”يُطِيْعُ“ کے بجائے مضارع مجزوم ”يُطِعْ“ آیا ہے۔پھر اسے اگلے لفظ یعنی اللہ سے ملانے کے لیے قاعدے کے مطابق زیر دی گئی ہے۔”يُدْخِلْهُ“ جواب شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم ہوا۔”جَنّٰتٍ“اس کا مفعول ثانی ہے اس لیے حالت نصب میں آیا ہے اور نکرہ مخصوصہ ہے۔ ”خٰلِدِيْنَ“ حال ہے۔”اَلْفَوْزُ الْعَظِيْمُ“خبر معرفہ ہے اور اس کی ضمیر فاصل محذوف ہے۔”يَعْصِ“اور ”يَتَعَدَّ“شرط ہونے کی وجہ سے حالت جزم میں ہیں۔”يُدْخِلْهُ“ کا مفعول ثانی ”نَارًا“ ہے اور ”خَالِدًا“ حال ہے۔”عَذَابٌ مُّهِيْنٌ“ مبتدا موخر نکرہ ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔ (بقیہ صفحہ 59 پر)

حضور ﷺ کی پیشین گوئیاں اور علم الغیب

مدرّس: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ ؓ ' قَالَ : کُنْتُ مَعَ النَّبِیِّ ﷺ فِیْ حَائِطٍ مِنْ حِیْطَانِ الْمَدِیْنَةِ ' فَجَاءَ رَجُلٌ فَاسْتَفْتَحَ ' فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ : ((**اِفْتَحْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ**)) فَفَتَحْتُ لَهٗ فَاِذَا اَبُوْبَکْرٍ ' فَبَشَّرْتُهٗ بِمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَحَمِدَ اللّٰهَ ' ثُمَّ جَاءَ رَجُلٌ فَاسْتَفْتَحَ ' فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ : ((**اِفْتَحْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ**)) فَفَتَحْتُ لَهٗ فَاِذَا عُمَرُ ' فَاَخْبَرْتُهٗ بِمَا قَالَ النَّبِیُّ ﷺ فَحَمِدَ اللّٰهَ ' ثُمَّ اسْتَفْتَحَ رَجُلٌ ' فَقَالَ لِیْ ((**اِفْتَحْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ عَلٰی بَلْوٰی تُصِیْبُهٗ**)) فَاِذَا عُثْمَانُ فَاَخْبَرْتُهٗ بِمَا قَالَ النَّبِیُّ ﷺ فَحَمِدَ اللّٰهَ ' ثُمَّ قَالَ : اَللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ سے روایت ہے' انہوں نے بیان کیا کہ میں مدینہ کے ایک باغ میں نبی مکرم ﷺ کے ساتھ تھا تو ایک صاحب آئے اور انہوں نے دروازہ کھلوانا چاہا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان کے لیے دروازہ کھول دو اور ان کو جنت کی خوشخبری دو' میں نے ان صاحب کے لیے دروازہ کھول دیا تو دیکھا کہ وہ ابوبکر ہیں' میں نے ان کو جنت کی بشارت دی' جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا' تو اس پر انہوں نے اللہ کی حمد کی (اور شکر ادا کیا)۔ پھر ایک اور صاحب آئے اور انہوں نے بھی دروازہ کھلوانا چاہا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ ان کے لیے دروازہ کھول دو اور انہیں جنت کی خوشخبری دو' تو میں نے ان کے لیے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہ عمر ہیں' میں نے ان کو وہ بتلا دیا جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا تو انہوں نے اللہ کی حمد کی (اور شکر ادا کیا)۔ پھر ایک اور صاحب نے دروازہ کھلوانا چاہا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ ان کے لیے بھی دروازہ کھول دو اور ان کو جنت کی خوشخبری دو' ایک بڑی مصیبت پر جو ان کو پہنچے گی (میں نے دروازہ کھول دیا) تو دیکھا کہ وہ عثمان ہیں' تو میں نے ان کو وہ بتلا دیا جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا تو انہوں نے اللہ کی حمد کی (اور شکر ادا کیا) پھر کہا **اَللّٰهُ الْمستعان** (یعنی آنے والی مصیبت کے لیے میں اللہ ہی سے مدد چاہتا ہوں)۔

اس حدیث کے راوی حضرت ابوموسیٰ الاشعری ؓ صحابی رسولؐ اور ممتاز تاریخی شخصیت ہیں۔ ۷ھ میں فتح خیبر کے موقع پر اپنے قبیلے کے افراد کے ساتھ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ ۱۰ھ میں رسول اللہ ﷺ نے انہیں معاذ بن جبل ؓ کے ساتھ تبلیغ کے لیے یمن بھیجا۔ عہد فاروقی میں پہلے بصرہ اور بعد میں کوفہ کے عامل رہے۔ جنگ صفّین میں حضرت علی ؓ کی طرف سے ثالث مقرر کیے گئے۔ آپؓ کا شمار فقہائے صحابہ میں ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ ایک باغ میں تشریف فرما تھے۔ یہاں حائط کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ حائط اس باغ کو کہتے ہیں جس کے گرداگرد چاردیواری ہو اور داخلے کے لیے دروازہ ہو۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی تھے جن کو آپؐ نے دروازے پر محافظ اور نگران کے طور پر کھڑا کیا تھا۔ اسی دوران کسی شخص نے اندر آنے کی اجازت چاہی‘ آپؐ نے ابوموسیٰ اشعریؓ کو فرمایا کہ آنے والے کے لیے دروازہ کھول دیں اور اس کو جنت کی بشارت دیں۔ جب ابوموسیٰ اشعریؓ نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ ابوبکر اندر آنا چاہ رہے ہیں۔ آپؓ نے ان کو رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق جنت کی بشارت دی‘ جس پر انہوں نے اللہ کی حمد بیان کی اور کلماتِ شکر ادا کیے اور اندر آ گئے۔ دوبارہ کسی نے دروازہ کھولنے کی استدعا کی اور اب کے بھی ابوموسیٰ اشعریؓ نے رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے دروازہ کھولا تو عمر اندر آئے اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق انہیں بھی جنت کی بشارت دی گئی۔ اس پر انہوں نے بھی الحمد للہ کہا۔ بعد ازاں تیسری مرتبہ دروازہ کھولا گیا تو اجازت لے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اندر آئے تو جنت کی خوشخبری کے ساتھ انہیں مصیبت اور ابتلاء کی خبر بھی دی گئی۔ جنت کی خوشخبری پر انہوں نے الحمد للہ کہا اور مصیبت کی اطلاع پر اَللّٰہُ المستعان کہہ کر اللہ سے مدد چاہی۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جنت کی خوشخبری دی۔ اس کے علاوہ مختلف مواقع پر آپ نے کچھ دوسرے اصحاب کو بھی جنت کی بشارت دی تھی۔ مشہور حدیث میں آپ ﷺ نے دس اصحاب کو جنت کی بشارت دی جنہیں ''عشرۂ مبشّرہ'' کہتے ہیں۔ ان میں ان تینوں اصحاب کے علاوہ سات دوسرے اصحاب بھی شامل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے تمام صحابی فضیلت مآب ہیں۔ قرآن میں جابجا ان کی تعریف ہے۔ جنگ بدر میں شامل ہونے والے مجاہدین کو مغفرت کی خوشخبری دی گئی ہے۔ سورۃ الفتح میں بیعت رضوان کا ذکر ہے جس میں شامل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (آیت ۱۸) کے الفاظ میں رضائے الٰہی کا تمغہ مل چکا ہے۔ اسی سورت میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے: ﴿اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ (آیت ۲۹) کہ کفار کے مقابلے میں جانباز مگر آپس میں رحم دل ہیں۔ مشہور محدّث حافظ ابونعیم نے اپنی کتاب ''حلیۃ الاولیاء'' میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے قلوب پر نظر ڈالی اور ان سب میں اپنے علم کے مطابق حضرت محمد ﷺ کو منتخب فرمایا اور اپنی رسالت کے ساتھ آپ کو مبعوث فرمایا۔ پھر آپ کے بعد لوگوں کے قلوب پر نظر ڈالی تو کچھ لوگوں کو آپؐ کے اصحاب اور اپنے دین کے ناصر و مددگار اور آپ کے وزراء و نائبین کے طور پر منتخب فرمایا۔ گویا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ کے چیدہ اور منتخب بندے ہیں۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اصحابِ رسول اس اُمت کے بہترین لوگ ہیں۔ قرآن وحدیث کو دین کے اوّلین ماخذ تسلیم کرنے والے تمام اہلِ ایمان کا عقیدہ ہے کہ کوئی غیر صحابی خواہ کسی درجے کا متقی و محسن ہو وہ کسی ادنیٰ درجے کے صحابی کے برابر بھی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ صحابی وہ خوش نصیب شخص ہے جس نے ایمان کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کا مبارک چہرہ دیکھا اور ایمان کے ساتھ ہی اس دنیا سے رخصت ہوا۔

باغ کے اندر داخلے پر جب رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ان تینوں اصحاب کو جنت کی بشارت دی گئی تو ہر ایک نے اللہ کی حمد بیان کی‘ گویا آپ کی بشارت کو حق جانا۔ وہ جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ایسی خبر اللہ کی وحی سے ہی دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝﴾ (النجم)

''آپ اپنی خواہش سے زبان کو جنبش نہیں دیتے مگر وہ وحی الٰہی ہی ہوتی ہے''۔ زیرِ درس حدیث کے مطابق افرادِ اُمّت پر ان اصحابِ ثلاثہ کے جنّتی ہونے پر یقین کرنا لازمی ہوگیا۔

جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بشارت دی گئی تو ساتھ ابتلاء و آزمائش کی خبر بھی دی گئی جس پر انہوں نے الحمد للہ کہا اور ساتھ اللّٰہ المستعان بھی کہا' یعنی مجھ پر جو ابتلاء آئے گی اُس میں میں اپنے اللہ ہی سے مدد چاہتا ہوں۔ گویا ان کو یقین ہوگیا کہ جس طرح جنّتی ہونے کی بشارت صحیح اور درست ہے اسی طرح آزمائش میں مبتلا ہونا بھی یقینی ہے۔ پھر تاریخ شاہد ہے کہ جس طرح کی ابتلاء میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ڈالے گئے ویسی آزمائش نہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پیش آئی نہ عمر رضی اللہ عنہ کو اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کسی طرح بھی اس ابتلاء سے محفوظ نہ رہ سکے۔ اقبال نے صحیح کہا ہے ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود!

حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو جنت کی بشارت اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جنت کی بشارت کے ساتھ ابتلاء کی خبر بھی انباء الغیب میں سے ہے۔ اس طرح غیب کی خبریں آپؐ نے اور بھی کئی موقعوں پر بتائی ہیں۔ اسی طرح آپ ﷺ نے موت کے بعد کی زندگی کے بارے میں بہت سی باتیں بتائی ہیں جن کو افرادِ اُمت حق جانتے ہیں۔ یہ ساری غیب کی خبریں ہیں' مگر اس سے کسی کو یہ شبہ ہرگز نہیں ہونا چاہیے کہ آپ ﷺ عالم الغیب یعنی غیب دان تھے' کیونکہ عالم الغیب صرف ایک اللہ ہے' جیسا کہ قرآن مجید میں وضاحت کے ساتھ بار ہا اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔ سورۃ الانعام آیت ۵۰ اور سورۂ ھود آیت ۳۱ کے الفاظ ایک جیسے ہیں: ﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ﴾ ''(اے پیغمبر) کہہ دیجیے میں تم کو یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں''۔ سورۃ النمل میں ارشاد ہوا: ﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ﴾ (آیت ۶۵) ''کہہ دو کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ کے سوا غیب کی باتیں نہیں جانتے''۔

''عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ'' کے الفاظ قرآن میں صرف اللہ کے لیے ہی استعمال ہوئے ہیں اور کئی دفعہ آئے ہیں۔ مخلوق میں سے کسی کے لیے یہ الفاظ نہیں آئے' کیونکہ اللہ ہی عالم الغیب والشھادہ ہے' اس کے سوا اور کسی کی یہ صفت نہیں۔ ہاں اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے وہ غیب کی خبریں بتا دیتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے: ﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ﴾ (آل عمران: ۴۴) ''یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں''۔ گویا جو غیب کی خبریں آپ نے دی ہیں' وہ اللہ نے آپ کو بتائی ہیں۔ سورۃ الانعام میں ارشاد ہے: ﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ﴾ (آیت ۵۹) ''اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا''۔

جان لینا چاہیے کہ اللہ کا ہر کام حکمت پر مبنی ہے' کیونکہ وہ الحکیم ہے۔ کوئی عبث کام اس کی شانِ رفیع کے شایاں نہیں۔ اللہ نے رسول اللہ ﷺ کو وہی علوم عطا فرمائے جو ان کے لیے مناسب اور ضروری تھے۔ غیر ضروری علوم خواہ وہ لوگوں کے نزدیک کتنے اہم ہوں اللہ نے اپنے پیغمبر کو نہیں دیے۔ عرب کا بچہ بچہ شعر کہتا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو شعر کہنا نہیں سکھایا۔ سورۂ یٰسین میں ہے: ﴿وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ؕ﴾ (آیت ۶۹) ''ہم

نے انہیں شعر گوئی نہیں سکھائی اور نہ وہ آپؐ کے شایاں تھی''۔ اسی طرح خواندہ ہونا عام لوگوں کے لیے کتنی بڑی خوبی ہے' مگر آپؐ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ آپؐ نے دنیاوی علوم مثلاً سائنس' تاریخ وغیرہ کی کتابیں نہیں پڑھی تھیں' مگر اللہ نے تمام ضروری علوم کے لیے آپ کا سینہ کھول دیا تھا۔ غیب کا علم اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اور اسی کو زیب دیتا ہے۔ اللہ کا کوئی ہمسر نہیں' لہٰذا غیب کا علم مخلوق کے لیے نہ مفید ہے نہ مناسب۔

ہاں غیب کی جو خبریں آپؐ کے شایانِ شان تھیں وہ ضرور آپ کو بتا دی گئیں۔ آپؐ کو خواہ مخواہ عالم الغیب کہنے سے آپ کی رفعتِ شان میں فرق آتا ہے' مثلاً بئر معونہ کا واقعہ دیکھ لیجیے۔ بنو سلیم کی ملکیت مدینہ کا ایک کنواں تھا' اس کے آس پاس کے علاقے کو بھی بئر معونہ کہتے تھے۔ بنو عامر کا ایک سردار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور تعلیم و تبلیغ کے لیے کچھ مسلمانوں کو ساتھ بھیجنے کی درخواست کی۔ آپؐ نے برضا و رغبت ستر صحابہ کرام ؓ کا ایک وفد اس کے ساتھ بھیج دیا۔ وہ لوگ جھوٹے تھے۔ جب صحابہ کرامؓ بئر معونہ پہنچے تو وہاں کے سردار نے اپنے قبیلے کو ان پر حملہ کرنے کو کہا۔ مسلمانوں نے مقابلہ کیا مگر حضرت کعب بن زیدؓ کے سوا سب شہید کر دیے گئے۔ رسول اللہ ﷺ کو خبر ہوئی تو آپؐ کو بہت غم ہوا اور آپؐ ایک ماہ تک بئر معونہ کے قاتلوں کے لیے بددعا کرتے رہے۔ ظاہر ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کو ان کی سازش کا علم ہوتا تو آپ ستر صحابہ کرام ؓ کو ان کے پاس نہ بھیجتے۔ یہ واقعہ اور اس طرح کے اور کئی واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو غیب کی ان باتوں کا ہی علم تھا جن کے بارے میں اللہ آپؐ کو خبر دے دیتا۔ علم غیب اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں لاشریک ہے اسی طرح وہ اپنی صفات میں بھی یکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت کی طرح اس کا علم بھی بے مثل اور بے حد و حساب ہے اور مخلوق میں سے کوئی بھی عالم الغیب نہیں' جس کے پاس جو بھی علم یا صلاحیت ہے وہ اللہ ہی کی عطا کردہ ہے۔ قرآن اور حدیث میں عالم الغیب کے الفاظ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے آئے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے مستقبل کے بارے میں جو باتیں بتائی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کی بنیاد پر بتائی ہیں' اس لیے وہ ہو بہو اسی طرح واقع ہوئیں اور ہوں گی جس طرح آپؐ نے فرمائی ہیں۔ اس حدیث میں حضرت عثمان غنی ؓ کو آپؐ نے ایک عظیم آزمائش اور مصیبت کی خبر دی تھی' لہٰذا یہ پیشین گوئی آپؐ کی شہادت کے واقعہ کی صورت میں پوری ہوئی' جبکہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر ؓ کے ساتھ ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔

یہاں ایک بات یہ بھی یاد رکھنے کی ہے کہ تینوں حضرات کو رسول اللہ ﷺ نے فرداً فرداً جنت کی بشارت دی اور انہوں نے الحمد للہ کہہ کر اللہ کی حمد اور شکر ادا کیا۔ یعنی وہ جانتے تھے کہ جنت کی یہ بشارت آپؐ از خود نہیں دے رہے بلکہ مستقبل کی یہ بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر پا کر ہی بتا رہے ہیں اور حمد اور شکر کا سزاوار بھی تنہا اللہ ہے۔ اسی طرح جب حضرت عثمان ؓ کو آنے والی مصیبت کی خبر دی گئی تو انہوں نے اَللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ کہہ کر اس ابتلاء میں پورے اترنے کے لیے اللہ ہی سے استعانت کی' کیونکہ عبادت کی طرح استعانت بھی اسی سے ہے۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان کے بیٹے یوسف علیہ السلام کے معاملے میں آزمائش میں ڈالا گیا تو انہوں نے بھی وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ کے لفظ کہہ کر اللہ ہی سے مدد چاہی تھی' گویا استعانت بھی اللہ سے ہے۔ جیسا کہ سورۃ الفاتحہ کے الفاظ ہیں کہ: ﴿اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ﴾ ''اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور کریں گے اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں اور چاہتے رہیں گے۔''

قدیم مصاحفِ قرآنیہ: ایک تجزیاتی مطالعہ

حافظ محمد زبیر

قدیم مصاحف کے مطالعے میں اہم ترین سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کسی مصحف کے قدیم ہونے کے دلائل کیا ہو سکتے ہیں؟ مختلف علماء نے کسی مصحف کے زمانۂ کتابت کو معلوم کرنے کے لیے دو ذرائع کا ذکر کیا ہے جو درج ذیل ہیں:

(۱) عربی زبان کی کتابت میں حروف' خط' رسم اور تحریر کی خصوصیات اور ان کے ارتقاء کے متعدد مراحل کی روشنی میں کسی مصحف کے زمانے کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ عربی زبان کے حروف کی کتابت کے ارتقائی مراحل جاننے کے لیے آثارِ قدیمہ ایک اہم مصدر ہیں' مثلاً حجاج بن یوسف کے زمانے میں جاری کیے گئے دراہم پر موجود عربی تحریر' اس دور میں سکے جاری کرنے کی ڈائیوں کی تحریریں' بنواُمیہ کے دور کے سکوں کی تحریریں' مروان بن حکم کے بنائے گئے قُبّہ پر موجود عربی تحریریں' بنواُمیہ کے دور میں قائم کیے گئے قبۂ صخرہ کی عربی تحریریں وغیرہ۔ عربی زبان کے حروف اور رسم کے ارتقائی مطالعہ کے لیے درج ذیل مصادر کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے:

الکتابات فی العصر الراشدی المسکوکات (۲۰۔۴۰ھ)

البردیتان المؤرختان (۲۲ھ)

مصادر الحروف العربیة علی النقود الأمویة المعربة و غیر المعربة (۴۱۔۱۳۲ھ)

الدراھم الإسلامیة الساسانیة للحجاج بن یوسف الثقفی فی المتحف العراقی

کتابة قبة نسیج من الحریر للخلیفة مروان بن الحکم (۶۴ھ)

کتابة قبة الصخرة (من الفیفساء) مؤرخة (۷۲ھ)

کتاب دراسات فی تاریخ الخط العربی منذ بدایته إلی نهایة العصر الأموی' صلاح الدین المنجد

أصل الخط العربی و تطوره حتی نهایة العصر الأموی' سهیلة یاسین' جامعة بغداد

مصاحف صنعاء من القرن الأول الهجری و الثانی والثالث' مجموعة مقالات متنوعة' کویت

صبح الأعشی للقلقشندی

الفهرست لابن ندیم

The Quranic Art of Calligraphy and Illumation, Martin Lings, Wester Ham Press, England.

The Abbasid Tradition Qurans of the 8th to 10th Centuries, Francois Derocthe.

(۲) کاربن ٹیسٹ کے ذریعے بھی کسی مصحف کے زمانہ کے بارے میں معلومات جمع کی جاتی ہیں۔ اس طریقے کے ذریعے ان اشیاء کے زمانہ فنا کو معلوم کیا جاتا ہے جن میں کوئلہ' لکڑی' ہڈی' درختوں کے پتے یا چمڑا وغیرہ استعمال ہوا ہو۔ چونکہ قدیم مصاحف چمڑوں پر لکھے جاتے تھے لہٰذا ان کے زمانہ کتابت کو معلوم کرنے کے لیے اس طریقے کو بھی کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ فزکس' کیمسٹری اور ٹیکنالوجی کے ارتقاء کی پیداوار ہے' لہٰذا ایک سائنسی طریقہ ہے' اگرچہ یہ اس قدر مستند نہیں ہے جس قدر پہلا طریقہ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کاربن ٹیسٹ کے ذریعے کسی شے کی موت کا زمانہ معلوم ہوتا ہے نہ کہ پیدائش کا۔ اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ قرآن کے کسی قدیم نسخے کا ایک ورق لے کر اس ورق کے ضائع ہونے والے بعض حصے کا ضائع ہونے کا زمانہ معلوم کیا جاتا ہے' لیکن وہ مصحف لکھا کب گیا' یہ معلوم کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

ان دو ذرائع میں درج ذیل کا اضافہ بھی کیا جا سکتا ہے:

(۳) چوتھی صدی ہجری سے چودھویں صدی ہجری کے مابین لکھے جانے والے مصاحف کے آخر میں بعض اوقات کاتب کا نام اور تاریخ کتابت بھی درج ہوتی ہے جس سے اس مصحف کی کتابت کے زمانے کے بارے میں یقینی علم حاصل ہوتا ہے۔

(۴) کسی مصحف کے آخر میں بعض اوقات کاتب کا نام درج ہوتا ہے۔ اس کاتب کی تاریخ پیدائش و وفات سے بھی اس مصحف کے زمانے کا تعین کیا جا سکتا ہے۔

(۵) تاریخی اخبار و آثار سے بھی کسی مصحف کی زمانہ کے بارے میں ظن کی حد تک علم حاصل ہوتا ہے۔

قدیم مصاحف کا اجمالی تعارف

مسلمان محققین کی تحقیق کے مطابق اس وقت عالم اسلام اور عالم کفر کی لائبریریوں میں تقریباً ۱۹۶ ایسے نادر مصاحف موجود ہیں جو پہلی پانچ صدی ہجری کے دورانیے میں لکھے گئے ہیں۔ ان مصاحف میں سے عراق میں ۱۸' ترکی میں ۱۶' مصر میں ۱۴' تیونس میں ۸' امریکہ میں ۸' برطانیہ میں ۸' ایران میں ۶' افغانستان میں ۵' روس میں ۴' ہندوستان میں ۴' سعودی عرب' فلسطین' مغرب اقصیٰ' پاکستان' یمن اور ویٹی کن سٹی میں سے ہر ایک میں ایک ایک نسخہ موجود ہے۔ ان میں سے بعض نسخے کامل ہیں جبکہ بعض ناقص۔ صنعاء' یمن سے حال ہی میں دریافت شدہ ایک صد سے زائد قدیم مصاحف ان کے علاوہ ہیں۔ ذیل میں ہم ممالک کے اعتبار سے بعض قدیم نسخ قرآنیہ کا تعارف پیش کر رہے ہیں۔

ترکی میں قدیم مصاحف

(۱) خط کوفی میں ایک مصحف توپ کاپی سرائے میوزیم' استنبول میں موجود ہے جس کا نمبر '1' ہے۔ اس مصحف پر لکھا ہے کہ اس مصحف کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان قرّاء صحابہؓ کی املا پر لکھا تھا جنہوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے قرآن حاصل کیا تھا۔ بعض محققین کا کہنا یہ ہے کہ یہ مصحف بذاتہٖ قدیم تو ہے لیکن حضرت عثمانؓ نے کوئی مصحف نہ لکھا تھا' لہٰذا اس کے کاتب کوئی اور ہیں۔

(۲) خط کوفی میں ایک نسخہ توپ کاپی سرائے میوزیم میں موجود ہے جو چمڑے پر لکھا ہوا ہے۔ اس کے اوراق کی تعداد ۱۴۷ ہے۔ اس کا نمبر 36E.H.29 ہے۔ اس کے آخر میں ہے کہ یہ حضرت علی ؓ بن ابی طالب کی کتابت سے ہے۔

(۳) توپ کاپی سرائے میوزیم سے ملحق لائبریری 'أمانة خزينة' میں بھی ایک نادر نسخہ موجود ہے۔ اس نسخے پر لکھا ہے کہ اسے ۵۲ھ میں عقبہ بن عامر ؓ نے لکھا ہے۔ اس کا نمبر '40' ہے۔ اس نسخے میں کاتب کے نام اور تاریخ کتابت کا اضافہ بعد میں کسی نے کیا ہے۔ لہٰذا بعض محققین کا کہنا ہے کہ یہ نسخہ اس تاریخ سے بعد کے زمانے میں لکھا گیا ہے۔

(۴) 'أمانة خزينة' میں ایک نسخے کے آخر میں لکھا ہے کہ اس کے کاتب جعفر بن محمد بن زین العابدینؒ بن الحسینؓ بن علیؓ بن ابی طالب (متوفی ۱۴۸ھ) ہیں۔ اس کے اوراق کی تعداد ۱۶۲ ہے۔ نامکمل مصحف ہے۔ اس کا نمبر '39' ہے۔

(۵) آثارِ اسلامیہ میوزیم' استنبول میں چمڑے پر لکھا ہوا ایک مصحف موجود ہے' جس کا نمبر '457' ہے۔ شروع' درمیان اور آخر سے اس کے کچھ اوراق غائب ہیں۔ اس مصحف کے بارے میں قدیم مصاحف کے ماہر ڈاکٹر صلاح الدین المنجد کا کہنا ہے کہ میں نے جتنے بھی قدیم مصاحف کا مشاہدہ کیا ہے' یہ ان میں سے سب سے زیادہ قدیم معلوم ہوتا ہے۔ ڈاکٹر المنجد کے بقول یہ مصحف اپنے اندازِ تحریر کی روشنی میں پہلی صدی ہجری کے اواخر میں لکھا گیا ہے۔

(۶) جامعہ استنبول کی لائبریری میں ایک مصحف معروف عربی خطّاط ابن بواب بغدادی (متوفی ۴۱۳ھ) کے خط سے لکھا ہوا موجود ہے۔ اس کا نمبر '449' ہے۔

(۷) مذکورہ بالا لائبریری میں خط کوفی میں ۳۶۱ھ میں لکھا ہوا ایک مصحف بھی موجود ہے' جس کا نمبر 'A6778' ہے۔

برطانیہ میں قدیم مصاحف

(۱) برمنگھم میں چمڑے پر خط کوفی میں لکھا ہوا ایک قدیم نادر نسخہ موجود ہے جس کے بارے میں محققین کا کہنا ہے کہ یہ دوسری صدی ہجری کا نسخہ ہے۔ اس کے اوراق کی تعداد ۳۹ ہے۔ یہ ایک نامکمل نسخہ ہے۔ اس کا نمبر '1563' ہے۔ اسی طرح دوسری صدی ہجری کا ایک اور قدیم نسخہ چمڑے کے اوراق پر لکھا ہوا ہے۔ اس کے موجود صفحات کی تعداد ۹ ہے۔ اس کا نمبر '1572' ہے۔

(۲) پانچویں صدی ہجری سے متعلق ایک نسخہ پرنسٹن یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود ہے۔ اس کے اوراق کی تعداد ۲۰۶ ہے۔ اس کا نمبر '1156' ہے۔

(۳) برطانوی میوزیم' لندن میں چمڑے پر لکھا ہوا ایک نامکمل نسخہ موجود ہے جس کے اوراق کی تعداد ۱۱۲ ہے۔ ماہرینِ فن کے مطابق یہ اُموی دورِ خلافت کے آخری دَور کا نسخہ معلوم ہوتا ہے۔ برطانوی میوزیم میں یہ

سب سے قدیم مخطوطہ ہے۔

(۴) علاوہ ازیں میوزیم میں ۴۰۲ھ میں لکھا ہوا ایک مصحف بھی موجود ہے جس کے کاتب کا نام سعد بن محمد بن اسعد کرخی ہے۔ ۴۲۷ھ میں لکھا ہوا ایک نسخہ بھی یہاں موجود ہے۔

عراق میں قدیم مصاحف

دوسری صدی ہجری کا کوفی خط میں لکھا ہوا ایک نسخہ عراقی میوزیم لائبریری' بغداد میں موجود ہے۔ اس مصحف کے ۳۰ اوراق موجود ہیں۔ ایک نامکمل مصحف ہے۔ اسی طرح تیسری صدی ہجری کا ایک اور نامکمل مصحف بھی اس لائبریری میں موجود ہے۔

روضۂ حضرت حسین رضی اللہ عنہ' کربلا میں ایک قدیم مصحف موجود ہے۔ یہ چمڑے پر خط کوفی میں لکھا ہوا ہے۔ امام سجادؒ (متوفی ۱۱۸ھ) کی طرف منسوب ہے۔ 'الحضرة العباسية' میں دوسری اور تیسری صدی ہجری کے کئی ایک قدیم مصاحف موجود ہیں۔

تیونس میں قدیم مصاحف

(۱) دار الكتب الوطنية' تیونس میں چمڑے پر لکھا ہوا ایک قدیم نسخہ موجود ہے جو ۲۹۵ھ میں لکھا گیا۔ یہ نسخہ خطِ کوفی میں ہے۔

(۲) اس لائبریری میں معز بن بادیس صنہاجی (متوفی ۴۹۴ھ) کا نسخہ بھی موجود ہے جو خط کوفی میں چمڑے پر لکھا ہوا ہے۔ ان کے علاوہ بھی اس لائبریری میں کئی ایک قدیم مصاحف موجود ہیں۔

(۳) نیلے رنگ کے چمڑے پر خطِ کوفی میں ایک نسخہ 'قیروان' میں موجود ہے۔ یہ تیسری صدی ہجری کا مصحف ہے۔

آئر لینڈ میں قدیم مصاحف

'تشستر بیتی' لائبریری ڈبلن میں چمڑے پر لکھا ہوا ایک نسخہ موجود ہے جو تیسری صدی ہجری کا ہے۔ اس کے ۱۹ اوراق موجود ہیں۔ اسی طرح اس لائبریری میں خطِ نسخ میں ۲۸۶ صفحات پر مشتمل ایک قدیم نسخہ بھی موجود ہے جس کے کاتب ابن بواب بغدادی (متوفی ۳۹۱ھ) ہیں۔ اس کا نمبر 'K.16' ہے۔ اسی طرح ۴۲۶ھ میں لکھا ہوا ایک قدیم نسخہ بھی یہاں موجود ہے۔

ہندوستان میں قدیم مصاحف

(۱) رضا لائبریری' رامپور میں نفیس وعمدہ کتابت میں ایک نسخہ موجود ہے۔ یہ ۳۴۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ چمڑے پر خط کوفی میں لکھا ہوا ہے۔ اس کی کتابت حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔

(۲) قدیم خط نسخ میں لکھا ہوا ایک نفیس نسخہ بھی اس لائبریری میں موجود ہے۔ اس کی کتابت امام جعفر الصادق رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے۔ اس کے صفحات کی تعداد ۱۴۷ ہے۔

(۳) ایک بہت ہی نادر نسخہ بھی اس لائبریری میں موجود ہے۔ اس کے کاتب معروف بغدادی خطاط محمد بن علی بن حسن بن مقلہ (متوفی ۹۱۰ھ) ہیں۔ یہ نسخہ ۱۲۱۵ اوراق پر مشتمل ہے۔

مراکش کے قدیم مصاحف

خطِ کوفی میں چمڑے پر لکھا ہوا پانچویں صدی ہجری کا ایک مصحف قصرِ شاہی' رباط میں موجود ہے۔ اس کا نمبر '3594ز' ہے۔

یمن کے قدیم مصاحف

امام یحییٰ لائبریری میں ایک قدیم نسخہ موجود ہے جس کے آخر میں لکھا ہے کہ اس کے کاتب حضرت علی بن ابی طالب ؓ ہیں۔ علاوہ ازیں صنعاء کے وہ مصاحف بھی ہیں جو حال ہی میں دریافت ہوئے ہیں۔ ہم آگے چل کر ان پر مستقل عنوان کے تحت کلام کریں گے۔

تاشقند کے قدیم مصاحف

خط کوفی میں چمڑے پر لکھا ہوا ایک قدیم مصحف 'الإدارة الدينية الإسلامية' لائبریری میں موجود ہے۔ اس کے بارے معروف ہے کہ یہ حضرت عثمان ؓ (۳۵ھ) کا وہ مصحف ہے جس کی تلاوت کے دوران ان کو شہید کیا گیا تھا۔ اس مصحف پر خون کے دھبوں کے نشانات بھی ہیں۔ اس کے صفحات کی تعداد ۳۵۳ ہے۔ نقطوں سے خالی ہے۔ اس کے بارے ڈاکٹر المنجد کا کہنا یہ ہے کہ یہ دوسری یا تیسری صدی ہجری کا مصحف ہے۔

ایران کے قدیم مصاحف

(۱) فخر الدین نصیری لائبریری' تہران میں ایک قدیم نسخہ موجود ہے جس کے کاتب محمد بن الحسین بن علی (متوفی ۱۰۳۰ھ) ہیں۔ یہ ایک نامکمل مصحف ہے اور خط کوفی میں ہے۔

(۲) دار الكتب الرضویہ (مکتبہ استان قدس) مشہد میں ۱۴۱ اوراق پر مشتمل ایک قدیم نسخہ موجود ہے جس کی کتابت حضرت حسین بن علی ؓ کی طرف منسوب ہے۔ ڈاکٹر المنجد کے بقول یہ دوسری صدی ہجری کا مصحف معلوم ہوتا ہے۔ اس کا نمبر '14' ہے۔

(۳) اسی لائبریری میں '12' نمبر نسخے کی کتابت بھی حضرت حسین بن علی ؓ کی طرف ۴۱ھ میں منسوب ہے' جبکہ ڈاکٹر المنجد کے بقول یہ دوسری صدی ہجری کے اواخر یا تیسری صدی ہجری کی ابتدا کا مصحف معلوم ہوتا ہے۔

(۴) چمڑے پر لکھا ہوا تیسری صدی ہجری کا ایک مصحف بھی یہاں موجود ہے۔ علاوہ ازیں '15' نمبر نسخے کی کتابت حضرت علیؒ بن الحسینؓ بن علیؓ کی طرف منسوب ہے' جبکہ ڈاکٹر المنجد کے بقول یہ تیسری صدی ہجری کا مخطوطہ ہے۔

(۵) روضۂ حیدریہ میں خط کوفی میں چمڑے پر لکھے ہوئے کئی ایک نامکمل مصاحف موجود ہیں جن کی کتابت کی نسبت حضرت علی ؓ کی طرف کی جاتی ہے۔ ۱۲۴ اوراق پر مشتمل ایک نامکمل نسخے کی کتابت کی نسبت

حضرت حسن بن علی ؓ کی طرف بھی کی گئی ہے۔

(۶) خط کوفی میں لکھا ہوا ایک نسخہ بھی یہاں موجود ہے جو تیسری صدی ہجری کا ہے۔

(۷) ۱۰۳۰ھ میں لکھا گیا نسخہ بھی موجود ہے جس کے کاتب کا نام محمد بن الحسینی الجاھدی ہے۔ علاوہ ازیں ۴۱۹ھ میں خط کوفی میں لکھا ہوا ایک مصحف بھی موجود ہے جس کے کاتب علی بن محمد محدث ہیں۔

مصر میں قدیم مصاحف

(۱) جامع ازہر میں 'رواق المغاربۃ' لائبریری میں ہرن کے چمڑے پر لکھا ہوا ایک قدیم مصحف موجود ہے' جو ۲۵-۱۳۱ھ کے مابین لکھا گیا ہے۔ اس کے صفحات کی تعداد ۱۰۰۰ ہے۔

(۲) دو قدیم مصاحف مکتبہ ازہریہ' قاہرہ میں موجود ہیں۔ پہلا سورۃ الانفال سے سورۃ الرعد تک جبکہ دوسرا سورۃ المؤمنون سے سورۃ سبا تک ہے۔ دوسرے نسخے کے آخر میں کتابت سے فراغت کی تاریخ ۱۸ ذوالقعدہ ۴۶۵ھ لکھی ہوئی ہے۔ یہ دونوں نامکمل مصاحف ہیں۔

(۳) ایک بہت ہی قدیم نسخہ 'دار الکتب المصریۃ' میں موجود ہے۔ ہرن کے چمڑے پر خط کوفی میں لکھا ہوا ہے۔ اس میں نہ نقاط ہیں نہ اعراب' نہ سورتوں کے نام ہیں اور نہ ہی آیات کی تعداد' جیسا کہ پہلی صدی ہجری کے رسم کا معاملہ رہا ہے۔ اس کے کاتب ابوسعید حسن بصری ؒ (متوفی ۷۷ھ) ہیں۔ اس لائبریری میں کئی ایک اور بھی قدیم مصاحف موجود ہیں۔

(۴) مشہد حسینی میں ایک بہت ہی قدیم نسخہ موجود ہے جس کی نسبت حضرت عثمان ؓ کی طرف کی جاتی ہے۔ بعض محققین کے نزدیک یہ نسخہ پہلی یا دوسری صدی ہجری کا ہے۔

فلسطین کے قدیم مصاحف

مسجد اقصیٰ کی لائبریری میں ایک قدیم نسخہ خط کوفی میں موجود ہے جس کے کاتب محمد بن الحسن بن الحسن بن علی بن ابی طالب ہیں۔ علاوہ ازیں چمڑے پر رمضان ۱۹۸ھ میں لکھا ہوا ایک مصحف بھی یہاں موجود ہے۔

افغانستان کے قدیم مصاحف

(۱) کابل میوزیم میں ایک نسخہ موجود ہے جو چمڑے پر خط کوفی میں لکھا ہوا ہے۔ یہ تیسری صدی ہجری کا ایک نامکمل مصحف ہے جو ۱۸۷ اوراق پر مشتمل ہے۔ اسی طرح کا ایک اور ۳۲ صفحات پر مشتمل ایک نامکمل نسخہ بھی یہاں موجود ہے۔ یہ بھی تیسری صدی ہجری کا ہے۔ اس کے علاوہ بھی کئی ایک نامکمل قدیم مصاحف یہاں موجود ہیں۔

(۲) ہرات میوزیم لائبریری میں خط کوفی و نسخ میں لکھا ہوا ایک نسخہ موجود ہے جس کے کاتب محمد بن علی بن مقلہ معروف بغدادی خطّاط (متوفی ۹۴۰ھ) ہیں۔ یہ نسخہ ۳۳۷ اوراق پر مشتمل ہے۔

پاکستان میں قدیم مصاحف

نیشنل میوزیم' کراچی میں ایک نادر نسخہ موجود ہے جس کی نسبت حضرت عثمان ؓ کے دورِ خلافت کی

طرف کی جاتی ہے۔ یہ مخطوطہ ہرن کے چمڑے پر خطِ کوفی میں لکھا ہوا ہے۔

امریکہ میں قدیم مصاحف

(۱) ہارورڈ یونیورسٹی کے میوزیم میں خطِ کوفی میں لکھا ہوا ایک نسخہ موجود ہے جو تیسری صدی ہجری کا ہے۔ علاوہ ازیں چوتھی صدی ہجری میں چمڑے پر لکھے ہوئے کئی ایک نسخے بھی یہاں موجود ہیں۔

(۲) بیئر بونٹ مورگان لائبریری' نیویارک میں تیسری صدی کا ایک نامکمل نسخہ موجود ہے۔ یہ خطِ کوفی میں چمڑے پر لکھا ہوا ہے اور اس کے ۱۱۱ صفحات موجود ہیں۔ اس کا نمبر 'M657' ہے۔

سعودی عرب میں قدیم مصاحف

مکتبہ عارف حکمت' مدینہ منورہ میں شتر مرغ کے چمڑے پر لکھا ہوا ایک نسخہ موجود ہے جو ۴۸۸ھ میں لکھا گیا ہے۔ اب یہ نسخہ شاہ عبدالعزیز لائبریری میں منتقل ہو گیا ہے۔

فرانس میں قدیم مصاحف

نیشنل لائبریری' پیرس میں خطِ کوفی میں چمڑے پر لکھے ہوئے آٹھویں اور نویں صدی ہجری کے متعدد مصاحف موجود ہیں۔ یہ مصاحف '5179,5178,5124,5123,5122,5103' نمبروں کے تحت موجود ہیں۔ اس کے علاوہ بھی یہاں کئی ایک مصاحف موجود ہیں۔

شاہ عبدالعزیز لائبریری کے قدیم مصاحف

شاہ عبدالعزیز لائبریری کی بنیاد ۱۳۹۳ھ (۱۹۷۳ء) میں شاہ فیصل بن عبدالعزیز آل سعود نے رکھی اور اس کا افتتاح ۱۴۰۳ھ (۱۹۸۲ء) میں شاہ فہد بن عبدالعزیز نے کیا۔ یہ لائبریری مدینہ منورہ میں شارع اُمّ المؤمنین خدیجہؓ پر واقع ہے۔ یہ لائبریری بحث و تحقیق' اسلامی کتب اور مخطوطات کے ذخائر کے اعتبار سے دنیا کی چند ایک لائبریریوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس لائبریری میں ۱۴ ہزار مخطوطے (manuscripts) موجود ہیں۔ علاوہ ازیں مخطوطات کی فوٹو کاپیاں اور مائیکروفلمز اس کے علاوہ ہیں۔ اس لائبریری کا ایک ہال دنیا کی نادر کتابوں پر مشتمل ہے اور اس میں تقریباً ۲۵ ہزار کتب ہیں۔

اس لائبریری میں 'مكتبة المصحف الشريف' کے نام سے ایک ذیلی لائبریری موجود ہے جس میں قرآن کے ۱۸۷۸ نادر مخطوطے موجود ہیں۔ ان میں ۱۸۴ ایسے ہیں جو قرآن کی تدوین کے تاریخی مراحل کی کڑیوں کو ایک تسلسل کے ساتھ بیان کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ مصاحف پانچویں صدی ہجری سے لے کر چودھویں صدی ہجری تک پھیلے ہوئے ہیں۔ سب سے زیادہ مصاحف ۱۱ویں صدی ہجری کے ہیں۔ ان کی تعداد تقریباً ۷۰ ہے۔

اس لائبریری میں سب سے قدیم مصحف ۴۸۸ھ کا ہے جو ہرن کے چمڑے پر لکھا ہوا ہے۔ اس کے کاتب علی بن محمد بطلیوسی ہیں۔ اس کے بعد ۵۴۹ھ میں ابوسعد محمد اسمٰعیل بن محمد کے ہاتھ سے لکھا ہوا مصحف بھی موجود ہے۔ جدید ترین مصحف ۱۴۰۵ھ کا ہے جو محمد صدیق فضل اللہ افغانی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس لائبریری میں

غلام محی الدین کے ہاتھ سے ۱۲۰۴ھ میں لکھا ہوا ایک بہت بڑا مصحف بھی موجود ہے جس کا وزن ۱۵۴ کلوگرام ہے۔ اس کا سائز '80x142.5 cm' ہے۔

مصاحفِ عثمانیہ

مصحف عثمانی کس سن میں لکھا گیا تھا؟ اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ راجح قول کے مطابق اس کی تکمیل ۳۰ ہجری میں ہوئی تھی۔ اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصاحف کتنے تھے؟ اس بارے میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ امام دانیؒ اور امام زرکشیؒ کے قول کے مطابق ان کی تعداد چار تھی جن میں سے ایک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ میں تھا' جبکہ بقیہ تین کوفہ' بصرہ اور دمشق میں بھیجے گئے تھے۔ ابن ابی داؤدؒ اپنی کتاب میں ان کی تعداد کے بارے بعض قراء وعلماء سے دو روایات لائے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق ان کی تعداد چار تھی جبکہ دوسری روایت کے مطابق سات تھی جو مکہ' شام' یمن' بحرین' بصرہ' کوفہ اور مدینہ کے لیے تھے۔ تاریخ یعقوبی میں ان کی تعداد ۹ بھی بیان ہوئی ہے جبکہ ابن جزریؒ نے ان کی تعداد آٹھ بیان کی ہے۔ جمہور علماء کے قول کے مطابق ان مصاحف کی تعداد ۶ تھی۔ جو مصحف حضرت عثمانؓ نے اپنے پاس رکھا تھا اسے 'مصحفِ امام' کا نام دیا گیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں تاریخی روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جب بلوائیوں نے ان کے گھر کا محاصرہ کر لیا تو وہ اپنے گھر میں محصور ہو کر رہ گئے۔ جس دن اور جس وقت ان کی شہادت واقع ہوئی ہے' اُس وقت وہ قرآن کی تلاوت فرما رہے تھے اور ان کے خون کے قطرے ان کے سامنے موجود مصحف میں سورہ البقرۃ کی آیت ﴿فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ پر گرے۔ اُس وقت سے 'مصحفِ امام' کے بارے میں کئی ایک اختلافات اُمتِ مُسلمہ کی تاریخ میں چلے آ رہے ہیں۔ اِس وقت بھی تقریباً پانچ مصاحف کے بارے میں یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ 'مصحف امام' ہیں اور ان میں سے ہر ایک پر خون کے قطرے بھی موجود ہیں۔

پہلا مصحف جس کے بارے میں یہ گمان ہے کہ وہ مصحف امام ہے' مصحفِ مصر ہے۔ اس پر خون کے قطرات کے نشانات بھی موجود ہیں۔ معروف مصری مؤرخ ابوالعباس مقریزی (متوفی ۸۴۵ھ) نے اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ یہ مصحف ۵ محرم ۳۷۸ھ کو عباسی خلیفہ مقتدر باللہ کے خزانے سے جامع عمرو بن العاص میں منتقل کیا گیا۔ بعد ازاں یہ مصحف 'مدرسہ قاضی فاضل' میں پڑا رہا۔ اس کے بعد یہ اس قبے میں منتقل کر دیا گیا جو سلطان غوری نے تعمیر کیا تھا' جہاں یہ ۱۲۷۵ھ تک رہا اور بالآخر مختلف مراحل سے گزرتا ہوا ۱۳۰۴ھ میں دیوان اوقاف' مصر میں پہنچ گیا۔ اب یہ مصحف 'مسجد حسینی' مصر میں موجود ہے۔ بعض محققین کا کہنا یہ ہے کہ اس مصحف کا مصحف امام ثابت ہونا ایک مشکل امر ہے۔ ہاں! اس بات کا امکان موجود ہے کہ یہ ان مصاحف میں سے ایک ہو جنہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مختلف علاقوں کی طرف بھیجا تھا۔ لیکن اس امکان کا بھی یوں رد کیا گیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصر کی طرف کوئی مصحف بھیجا ہی نہیں تھا۔ اس لیے بعض محققین نے یہ رائے اختیار کی ہے کہ یہ ان مصاحف میں سے ہو سکتا ہے جو مصاحفِ عثمانیہ میں سے کسی مصحف کی نقل تھے۔

مصحفِ بصرہ دوسرا مصحف ہے جس کے بارے میں مصحف امام ہونے کا گمان کیا جاتا ہے۔ ابن بطوطہ نے

اپنے سفر نامہ میں اس کا ذکر کیا ہے کہ انہوں نے مسجد امیر المؤمنین' بصرہ میں حضرت عثمان ؓ کا وہ مصحف دیکھا ہے جس پر ان کے خون کے دھبّوں کے نشانات موجود تھے۔ اس مصحف کی حفاظت پر سلاطین کی طرف سے 'بنوزیان' مقرر تھے۔ ابوالحسن علی مرینی نے ۷۳۸ھ میں بنوزیان سے یہ مصحف واپس لے لیا تھا۔ اس کے بارے میں بھی محققین کی تحقیق ہے کہ جو مصحف ابن بطوطہ نے بصرہ میں دیکھا ہے وہ مصحف امام نہیں تھا بلکہ ان مصاحف میں سے ایک تھا جن کو حضرت عثمان ؓ نے مختلف شہروں کی طرف بھیجا تھا۔

مصحفِ تاشقند کے بارے میں بھی یہ گمان کیا جاتا ہے کہ یہ مصحف امام ہے۔ یہ مصحف تاشقند میں 'مکتبۃ الإدارۃ الدینیۃ' میں محفوظ ہے۔ اس کے اوراق کی تعداد ۳۵۳ ہے اور یہ مصحف نقاط و اعراب وغیرہ سے خالی ہے۔ یہ مصحف تاشقند کیسے پہنچا؟ اس کے بارے میں دو آراء پائی جاتی ہیں۔ ایک رائے کے مطابق مصر کے مملوک بادشاہ بیبرس نے یہ مصحف قبیلۃ ذھبیۃ کے سردار برکت خان کو ہدیہ دیا تھا اور یہ ۶۲۱ھ میں سمرقند پہنچا۔ برکت خان کے بارے میں معروف ہے کہ وہ پہلا منگول سردار ہے جس نے اسلام قبول کیا تھا۔ دوسری رائے کے مطابق یہ وہی مصحف ہے جسے ابن بطوطہ نے بصرہ میں دیکھا تھا اور تیمور لنگ (۷۷۱۔۸۰۷ھ) اسے سمرقند لے آیا تھا۔ اس رائے کے قائلین کا یہ بھی کہنا ہے کہ مصحف امام اور سمرقند کے مصحف کے رسم میں مشابہت بہت زیادہ ہے' لہٰذا اس کے مصحف امام ہونے کے امکانات قوی ہیں۔

پہلی رائے پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ مصر کی طرف حضرت عثمان ؓ نے کوئی مصحف بھیجا ہی نہیں تھا تو یہ مصر سے سمرقند کیسے آ گیا؟ مصر کے مصحف کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ عبدالعزیز بن مروان (متوفی بعد ۸۰ھ) نے مصر کے لیے حضرت عثمان ؓ کے سرکاری نسخے کے مطابق پہلی مرتبہ ایک نقل تیار کروائی تھی جو مصحف مصر کے نام سے معروف ہوئی۔ دوسری رائے پر یہ اعتراض سامنے آیا ہے کہ سمرقند کے مخطوطے کے رسم الخط سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ دوسری یا تیسری صدی ہجری کے مصاحف میں سے ایک مصحف ہے' لہٰذا اس کی نسبت حضرت عثمان ؓ کی طرف درست نہیں ہے۔ اس مصحف کی سطریں اس قدر سیدھی ہیں کہ محسوس ہوتا ہے کسی پیمانے کی مدد سے قائم کی گئی ہیں۔ تاشقند کا مصحف شیخ زاید بن سلطان آل نہیان کی سرپرستی میں مطبعہ المنار' دمشق سے شائع ہو چکا ہے۔ اس مطبوع مصحف کا ایک صفحہ نقل کیا جا رہا ہے۔ دیکھئے مضمون کے آخر میں عکس ا۔

مصحفِ حمص کے بارے میں بھی یہ گمان کیا جاتا ہے کہ وہ مصحف امام ہے۔ شیخ اسماعیل بن عبدالجواد الکیالی نے حمص کے قلعے کی مسجد میں مصحف عثمانی دیکھنے کا دعویٰ کیا ہے۔ ان کے بقول اس مصحف میں انہوں نے خون کے آثار بھی دیکھے ہیں۔ یہ مصحف خط کوفی میں ہے۔ رسم و خط کے ماہرین کی رائے ہے کہ مصحف حمص پہلی صدی ہجری کے بعد لکھا گیا ہے۔

مصحفِ استنبول پانچواں مصحف ہے جس کے بارے میں مصحف امام ہونے کا گمان کیا جاتا ہے۔ اس مصحف کے اوراق پر خون کے دھبوں کے نشانات آج تک واضح طور پر موجود ہیں۔ بعض ماہرین کا کہنا یہ ہے کہ یہ سرخ نقاط خون کے قطروں کے نشانات نہیں ہیں۔ مضمون کے آخر میں ہم مصحف عثمانؓ پر گرے ہوئے خون کے دھبوں کی ایک تصویر دے رہے ہیں۔ دیکھئے عکس ۲۔

مصاحفِ صنعاء

۱۹۷۲ء میں مسجد جامع کبیر' صنعاء' یمن میں بالائی منزل کی ایک دیوار کی مرمت کے دوران مزدوروں کو قرآن اور عربی کتب کے بہت سے قدیم نسخے ملے۔ اُس وقت انہوں نے ان نسخوں کی اہمیت نہ جانی اور انہیں ۲۰ کے قریب ٹماٹر کی بوریوں میں بند کر کے مسجد کے ایک مینار کی سیڑھیوں کے پاس رکھ دیا۔

کافی عرصے بعد یمن میں محکمہ آثار قدیمہ کے صدر جناب قاضی اسماعیل اکوع نے ان پارچہ جات کی اہمیت محسوس کی اور ان کے معائنے کے لیے مغربی جرمنی سے عربی حروف کی پہچان کے ماہر جرمن مستشرق ڈاکٹر پیون (Dr. Gerd Puin) کو بلوایا۔ ڈاکٹر پیون نے ۱۹۸۳ء سے لے کر ۱۹۹۶ء تک ۴۰ ہزار صفحات میں سے ۱۵ ہزار صفحات پر کام کیا' جن میں سے ۱۲ ہزار صفحات قدیم مصاحف کے تھے۔ ڈاکٹر پیون کے بقول کاربن ٹیسٹ کے نتیجے میں یہ معلوم ہوا کہ ان مصاحف میں پہلی اور دوسری صدی ہجری کے نسخے بھی شامل ہیں۔ بہرحال اس کام کے دوران قدیم مصاحف کے تقریباً ۱۵ ہزار صفحات کو صاف' مرتب اور منظّم کیا گیا جو اِس وقت جامع کبیر کے سامنے قائم شدہ 'دار المخطوطات' میں موجود ہیں۔ ڈاکٹر حمدون غسان کے بقول اب تک تقریباً ۱۰۰۰ سے زائد مصاحف مرتب کیے جا چکے ہیں۔

ڈاکٹر پیون نے علم تاریخ قراءات' قرآنی رسم الخط میں اختلافات کے علم اور علومِ قرآنیہ سے جہالت کی بنیاد پر اپنی اس تحقیق سے منفی نتائج برآمد کرنے کی کوشش کی' جس میں اس کو کوئی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ ڈاکٹر پیون نے اپنے موضوع تحقیق سے تجاوز کرتے ہوئے انتہائی سطحی انداز میں قرآن کی 'عربی مبین' کو بھی ہدفِ تنقید بنایا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

> "My idea is that the Koran is a kind of cocktail of texts that were not all understood even at the time of Muhammad. Many of them may even be a hundred years older than Islam itself. Even within the Islamic traditions there is a huge body of contradictory information, including a significant Christian substrate; one can derive a whole Islamic anti-history from them if one wants. The Qur'an claims for itself that it is 'mubeen,' or clear, but if you look at it, you will notice that every fifth sentence or so simply doesn't make sense. Many Muslims will tell you otherwise, of course, but the fact is that a fifth of the Qur'anic text is just incomprehensible. This is what has caused the traditional anxiety regarding translation. If the Qur'an is not comprehensible, if it can't even be understood in Arabic, then it's not translatable into any language. That is why Muslims are afraid. Since the Qur'an claims repeatedly to be clear but is not;there is an obvious and serious contradiction. Something else must be going on."

امام ابن تیمیہؒ نے رسالہ اصول تفسیر میں اس بات کو اچھی طرح واضح کیا ہے کہ قرآن میں تفسیر کا اختلاف'

اختلافِ تنوّع ہے نہ کہ اختلافِ تضاد۔ لہٰذا ظاہر' نص' مفسّر' محکم' خفی' مشکل' مجمل' متشابہ' عبارتِ نص دلالتِ نص' اقتضائے نص' دلالتِ اولیٰ اور مفہوم مخالف جیسی اصولی ابحاث کے تناظر میں اگر قرآن کی تفسیر کے ممکنہ متنوع پہلو سامنے آتے ہیں تو اس میں تو قرآن کا اعجاز ہے نہ کہ نقص کلام۔ صحابہؓ اور تابعین کے زمانے میں قرآن میں اختلافِ تضاد نہ ہونے کے برابر ہے۔ تضاد کا اختلاف مابعد کے ادوار میں نمایاں ہوا ہے جب باطنیہ' روافض' صوفیاء' خوارج' معتزلہ اور دوسرے کلامی فرقوں نے اپنے مذہبی اور سیاسی نظریات کی تائید کے لیے قرآنی آیات کو تختۂ مشق بنایا۔

مصاحفِ صنعاء اور معاصر مصاحف کا تقابلی مطالعہ

جرمن مستشرقین کے منفی پروپیگنڈا کے نتیجے میں بعض علماء نے مصاحف صنعاء کے بارے میں صحیح معلومات عوام الناس اور علمی حلقوں تک پہنچانے کے لیے تحقیق کا فریضہ سرانجام دیا۔ ڈاکٹر غسان حمدون نے 'وزارة الثقافة والسياحة الهيئة العامة للآثار والمخطوطات والمتاحف' الجمهورية اليمنية سے اجازت لے کر ان قدیم مصاحف کا مطالعہ کیا اور ان کے بعض صفحات کا معاصر مصاحف کے ساتھ تقابل بھی پیش کیا ہے۔

پہلی صدی ہجری اور معاصر مصحف کا تقابلی جائزہ

المخطوطات القرآنية في صنعاء من القرن الأول و الثاني الهجريين' ص۹۔ دیکھئے عکس ۳۔

ڈاکٹر پیون کی تحقیق کے مطابق یہ تصویر پہلی صدی ہجری کے مصحف کی ہے۔ یہ سورۃ الاعراف کی آیات ۳۷ کے درمیان سے آیت ۴۴ کے درمیان تک پر مشتمل ہے۔ نویں لائن میں ۱۰ آیات کے ختم ہونے کی علامت بھی ہے۔ اس مخطوطے اور معاصر مطبوع مصحف میں سوائے ایک کلمہ کے اور کوئی فرق نہیں ہے۔ 'کل ما' کا کلمہ مخطوطے میں منفصل ہے جبکہ مطبوع مصحف میں یہ ایک ہی حرف کی صورت میں 'کلما' موجود ہے۔ اس سے نفس کلام پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ رسم الخط کے اس قسم کے اختلافات تو علمائے رسم الخط یعنی ابن ابی داؤد' ابوداؤد سلیمان بن نجاح اور امام دانی رحمہم اللہ میں بھی مل جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ مصحف مدینہ (یعنی مصحف مجمع الملك فهد) میں بھی بعض کلمات کے رسم الخط میں اختلاف کی صورت میں علماء نے ترجیح کے اصول قائم کیے ہوئے ہیں۔ مصحف مدینہ کے آخر میں ہے:

"وأخذ هجاؤه مما رواه علماء الرسم عن المصاحف التى بعث بها الخليفة الراشد عثمان بن عفان رضى الله عنه إلى البصرة والكوفة والشام ومكة' والمصحف الذى جعله لأهل المدينة' والمصحف الذى اختص به نفسه' وعن المصاحف المنتسخة منها. وقد روعي في ذلك ما نقله الشيخان أبو عمرو الداني وأبوداؤد سليمان بن نجاح مع ترجيح الثاني عند الاختلاف."

المخطوطات القرآنية في صنعاء من القرن الأول و الثاني الهجريين' ص۱۱-۱۲۔ دیکھئے عکس ۴۔

پہلی صدی ہجری کے مصحف اور معاصر مصحف کے تقابلی مطالعہ کی ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیں:

المخطوطات القرآنية في صنعاء من القرن الأول و الثاني الهجريين' ص۳۔ دیکھئے عکس ۵۔

یہ مخطوطہ سورۂ لقمان کی آیت ۲۴ سے لے کر آخر آیت تک اور سورۃ السجدۃ کے شروع سے لے کر آیت ۴ کے

درمیان تک پر مشتمل ہے۔ڈاکٹر پیون کی تحقیق کی مطابق یہ پہلی صدی ہجری کا مخطوطہ ہے۔ بعض حروف پر نقط اعجام بھی موجود ہیں۔اس مخطوطے اور معاصر مصحف میں صرف ایک کلمے 'انما' کا فرق ہے۔ مخطوطے میں یہ کلمہ منفصل 'أن ما' لکھا ہوا ہے جبکہ معاصر مصحف میں یہ متصل یعنی 'انما' ہے اور اس اختلاف سے نفس کلام میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

المخطوطات القرآنية في صنعاء من القرن الأول و الثاني الهجريين، ص ۱۵۔۱٦۔ دیکھئے عکس ٦۔

دوسری صدی ہجری اور معاصر مصحف کا تقابلی جائزہ

المخطوطات القرآنية في صنعاء من القرن الأول و الثاني الهجريين دیکھئے، ص ۱۷۔ عکس ۷۔

یہ مخطوطہ دوسری صدی ہجری کا ہے۔اس میں اور معاصر مصحف میں صرف ایک کلمے کا فرق ہے۔ یہ مخطوطہ سورۂ کہف کی آیت ۱۷ کے درمیان سے لے کر آیت ۲۴ تک مشتمل ہے۔ مخطوطے میں آیت ۲٦ میں ﴿وَلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖ اَحَدًا﴾ میں 'يشرك'، معاصر مطبوع مصحف میں قراءت عاصمؒ کے مطابق 'يشرك' ہی لکھا ہوا ہے جبکہ مخطوطے میں 'تشرك' ہے جو ابن عامر شامیؒ کی متواتر قراءت ہے' لہٰذا نفس کلام میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

المخطوطات القرآنية في صنعاء من القرن الأول و الثاني الهجريين، ص ۱۹۔۲۰۔ دیکھئے عکس ۸۔

مستشرقین قراءات متواترہ یا رسم الخط کے مذکورہ بالا معمولی اختلافات کو بنیاد بناتے ہوئے قرآن کے مابین اختلافات کو نمایاں کرتے ہیں اور اپنے تئیں یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ قرآن میں ہر دور میں اختلاف رہا ہے۔ یہ بات درست ہے کہ عامی مسلمانوں کا قرآن کے بارے میں عقیدہ یہی ہے کہ انہوں نے روایت حفص میں بطور قرآن جو کچھ پڑھ لیا ہے' اس میں کسی زیر' زبر' پیش یا حرف کا اضافہ بھی جائز یا ممکن نہیں ہے۔ٹوبی لیسٹر (Toby Lester) لکھتا ہے:

> *"Some of the parchment pages in the Yemeni hoard seemed to date back to the seventh and eighth centuries A.D., or Islam's first two centuries; they were fragments, in other words, of perhaps the oldest Korans in existence. What's more, some of these fragments revealed small but intriguing aberrations from the standard Koranic text. Such aberrations, though not surprising to textual historians, are troublingly at odds with the orthodox Muslim belief that the Koran as it has reached us today is quite simply the perfect, timeless, and unchanging Word of God."*

یہ عقیدہ مسلمان اہل علم میں سے کسی کا بھی نہیں ہے۔واقعہ یہ ہے کہ مسلمان عوام بھی اپنے عقیدے میں اہل علم ہی کے تابع ہیں۔ آج اگر کسی بریلوی' دیوبندی یا اہل حدیث عامی کو قرآن کی کسی ایسی قراءت کے بارے میں معلوم ہوتا ہے جس سے وہ پہلے واقف نہیں تھا تو اس کی حقیقت جاننے کے لیے وہ اپنے مسلک کے اہل علم ہی کی طرف رجوع کرتا ہے اور اہل علم کے اطمینان دلانے پر اسے اطمینان حاصل بھی ہو جاتا ہے۔ پس قرآن کے بارے میں اصل عقیدہ اہل علم کا ہے اور جمیع اہل علم اور فقہی مکاتب فکر حنفیہ' مالکیہ' شافعیہ' حنابلہ' اہل الحدیث اور

اہل الظاہر وغیرہ قرآن کی متواتر قراءات کے اختلافات کے قائل ہیں۔ اسی طرح رسم الخط کے ماہر علماء رسم الخط کے اختلافات اور ان کی باریکیوں سے بھی واقف ہیں۔ پس مستشرقین جب قرآن میں اس قسم کے اختلافات ثابت کرتے ہیں تو ماہرین فن کا عمومی رویہ یہی ہوتا ہے کہ ابھی بچے ہیں' اس فن کی باریکیوں سے واقف نہیں ہیں' جلد ہی سمجھ جائیں گے۔ جبکہ مستشرقین اپنے اس منفی پروپیگنڈے سے عوام الناس کے عقیدے کو متزلزل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ وقت کی ایک اہم ضرورت ہے کہ رسمِ عثمانی' قراءات' آیات کی تعداد' علم الضبط کے اختلافات کو آسان فہم انداز میں دنیاوی طور پر پڑھے لکھے عوامی حلقوں میں جدید اسلوبِ بیان میں عام کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ اس قسم کے اختلافات کے سامنے آنے پر لوگ ان کو قبول کرنے کے لیے ذہناً تیار ہوں۔ دوسری اہم ضرورت اس امر کی ہے کہ حروف' خط' رسم الخط اور تحریر کے متعلقہ علوم میں ماہرین فن پیدا کیے جائیں تاکہ اُمت مسلمہ کو قرآنی مخطوطات کی تحقیق وتدوین اور تہذیب وتنقیح کے لیے ایسے غیر مسلم مستشرقین کی خدمات کی ضرورت ہی نہ پڑے جو اپنی تحقیق کو اسلام دشمنی کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

مختلف صدیوں کے قدیم مصاحف کی تصاویر

مختلف صدیوں میں لکھے گئے مصاحف میں سے چند ایک کی تصاویر پیش کی جا رہی ہیں۔

چھٹی صدی ہجری کا مصحف: مصاحف قدیمہ' ص ۲۔ دیکھئے عکس ۹۔

آٹھویں صدی ہجری کا مصحف: مصاحف قدیمہ' ص ۵۔' دیکھئے عکس ۱۰۔

دسویں صدی ہجری کا مصحف: مصاحف قدیمہ' ص ۱۱۔ دیکھئے عکس ۱۱۔

گیارہویں صدی ہجری کا مصحف: مصاحف قدیمہ' ص ۲۰۔ دیکھئے عکس ۱۲۔

بارہویں صدی ہجری کا مصحف: مصاحف قدیمہ' ص ۲۰۔ دیکھئے عکس ۱۳۔

مصادر ومراجع

یہ مضمون درج ذیل مصادر ومراجع سے اخذ واستفادہ پر مبنی ہے:

۱- المخطوطات القرآنية في صنعاء من القرن الأول والثاني الهجريين' ڈاکٹر غسان حمدون۔

۲- المصاحف المخطوطة في القرن الحادي عشر الهجري بمكتبة المصحف الشريف في مكتبة الملك عبد العزيز' دكتور عبد الرحمٰن بن سليمان المزيني' المكتبة الشاملة۔

3 - Aqdam ul Makhtootat Al-arbia fi Maktabat el Aalam, Unknown, Retrieved 10 December, 2010, from"http://www.alyaseer.net/vb/showthread.php?t=5199 "

4 - Azwa Ala Mushaf e Usman Wa Rehlata ho Sharqan wa Garban, Dr. Sahr Al-sayyad Abdul Aziz Salim, Retrieved 10 December, 2010, from "http://elislam.8k.com/Tagweed/ketab7/T7.HTM"

5 - Sana'a manuscripts, Unknown, Retrieved 30 December, 2010,from "http://en.wikipedia.org/wiki/Sana%27a_manuscripts"

6 - Retrieved 30 December, 2010,from http://makhtoot.com/vb/t428.html

☆☆☆☆☆

(عکس نمبر۱)

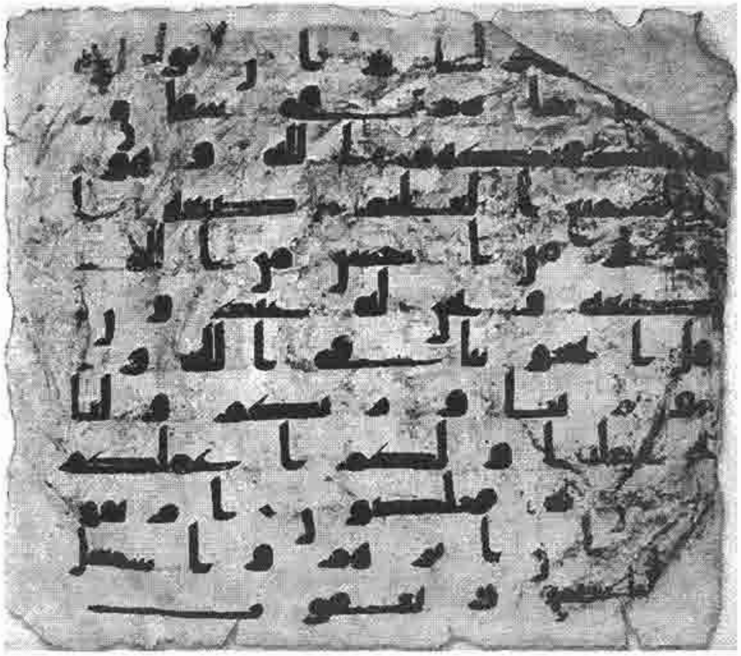

(عکس نمبر ۲)

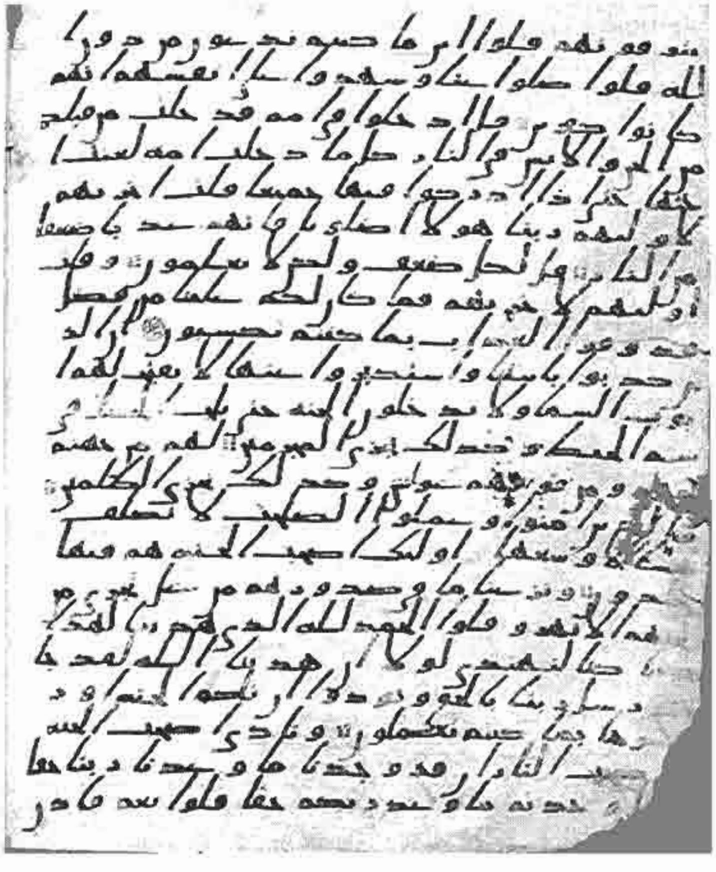

(عکس نمبر ۳)

تَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوٓا۟ أَيْنَ مَا كُنتُمْ تَدْعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ ۖ
قَالُوا۟ ضَلُّوا۟ عَنَّا وَشَهِدُوا۟ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا۟ كَٰفِرِينَ ﴿٣٧﴾
قَالَ ٱدْخُلُوا۟ فِىٓ أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُم مِّنَ ٱلْجِنِّ وَٱلْإِنسِ
فِى ٱلنَّارِ ۖ كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَّعَنَتْ أُخْتَهَا ۖ حَتَّىٰٓ إِذَا ٱدَّارَكُوا۟ فِيهَا
جَمِيعًا قَالَتْ أُخْرَىٰهُمْ لِأُولَىٰهُمْ رَبَّنَا هَٰٓؤُلَآءِ أَضَلُّونَا فَـَٔاتِهِمْ
عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ ٱلنَّارِ ۖ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَلَٰكِن لَّا تَعْلَمُونَ ﴿٣٨﴾
وَقَالَتْ أُولَىٰهُمْ لِأُخْرَىٰهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِن فَضْلٍ
فَذُوقُوا۟ ٱلْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٣٩﴾ إِنَّ ٱلَّذِينَ كَذَّبُوا۟
بِـَٔايَٰتِنَا وَٱسْتَكْبَرُوا۟ عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَٰبُ ٱلسَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُونَ
ٱلْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ ٱلْجَمَلُ فِى سَمِّ ٱلْخِيَاطِ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِى
ٱلْمُجْرِمِينَ ﴿٤٠﴾ لَهُم مِّن جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِن فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۚ
وَكَذَٰلِكَ نَجْزِى ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٤١﴾ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟
ٱلصَّٰلِحَٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَآ أُو۟لَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ

(عکس نمبر ۴)

(عکس نمبر۵)

عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿٢٤﴾
وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۚ قُلِ
الْحَمْدُ لِلَّهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢٥﴾ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ
وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٢٦﴾ وَلَوْ أَنَّمَا فِي الْأَرْضِ
مِن شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِن بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ
مَّا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٧﴾ مَّا خَلْقُكُمْ
وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةٍ ۗ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴿٢٨﴾
أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ
وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى وَأَنَّ اللَّهَ
بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٢٩﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ
مِن دُونِهِ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ﴿٣٠﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ
الْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللَّهِ لِيُرِيَكُم مِّنْ آيَاتِهِ ۚ إِنَّ
فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿٣١﴾ وَإِذَا غَشِيَهُم مَّوْجٌ
كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ

(عکس نمبر ۶)

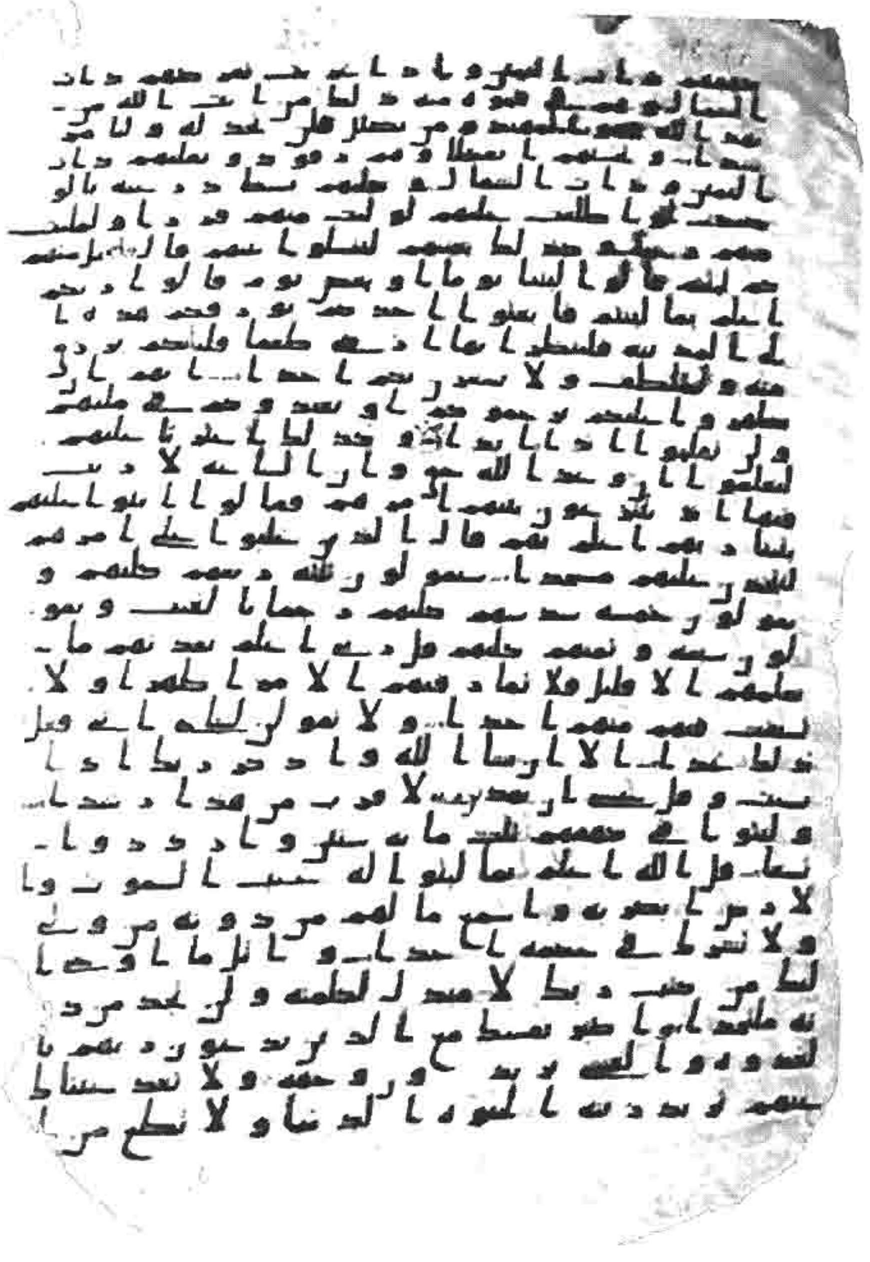

(عکس نمبر ۷)

كَهْفِهِمْ ذَاتَ
ٱلْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَت تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ ٱلشِّمَالِ وَهُمْ فِى فَجْوَةٍ
مِّنْهُ ۚ ذَٰلِكَ مِنْ ءَايَٰتِ ٱللَّهِ ۗ مَن يَهْدِ ٱللَّهُ فَهُوَ ٱلْمُهْتَدِ ۖ وَمَن
يُضْلِلْ فَلَن تَجِدَ لَهُۥ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿١٧﴾ وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا
وَهُمْ رُقُودٌ ۚ وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ ٱلْيَمِينِ وَذَاتَ ٱلشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُم
بَٰسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِٱلْوَصِيدِ ۚ لَوِ ٱطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ
فِرَارًا وَلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿١٨﴾ وَكَذَٰلِكَ بَعَثْنَٰهُمْ
لِيَتَسَآءَلُوا۟ بَيْنَهُمْ ۚ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۖ قَالُوا۟ لَبِثْنَا
يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۚ قَالُوا۟ رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ فَٱبْعَثُوٓا۟
أَحَدَكُم بِوَرِقِكُمْ هَٰذِهِۦٓ إِلَى ٱلْمَدِينَةِ فَلْيَنظُرْ أَيُّهَآ أَزْكَىٰ
طَعَامًا فَلْيَأْتِكُم بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ
بِكُمْ أَحَدًا ﴿١٩﴾ إِنَّهُمْ إِن يَظْهَرُوا۟ عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوكُمْ
أَوْ يُعِيدُوكُمْ فِى مِلَّتِهِمْ وَلَن تُفْلِحُوٓا۟ إِذًا أَبَدًا ﴿٢٠﴾

(عکس نمبر ۸)

تحس منهم من أحد أو تسمع لهم ركزا
بسم الله الرحمن الرحيم طه ما أنزلنا عليك
القرآن لتشقى إلا تذكرة لمن يخشى تنزيلا ممن خلق الأرض
والسموات العلى الرحمن على العرش استوى له ما في السموات
وما في الأرض وما بينهما وما تحت الثرى وإن تجهر بالقول
فإنه يعلم السر وأخفى الله لا إله إلا هو له الأسماء الحسنى
وهل أتاك حديث موسى إذ رأى نارا فقال لأهله امكثوا
إني آنست نارا لعلي آتيكم منها بقبس أو أجد على النار هدى
فلما أتاها نودي يا موسى إني أنا ربك فاخلع نعليك إنك
بالواد المقدس طوى وأنا اخترتك فاستمع لما يوحى إنني
أنا الله لا إله إلا أنا فاعبدني وأقم الصلوة لذكري إن
الساعة آتية أكاد أخفيها لتجزى كل نفس بما تسعى
فلا يصدنك عنها من لا يؤمن

(عکس نمبر ۹)

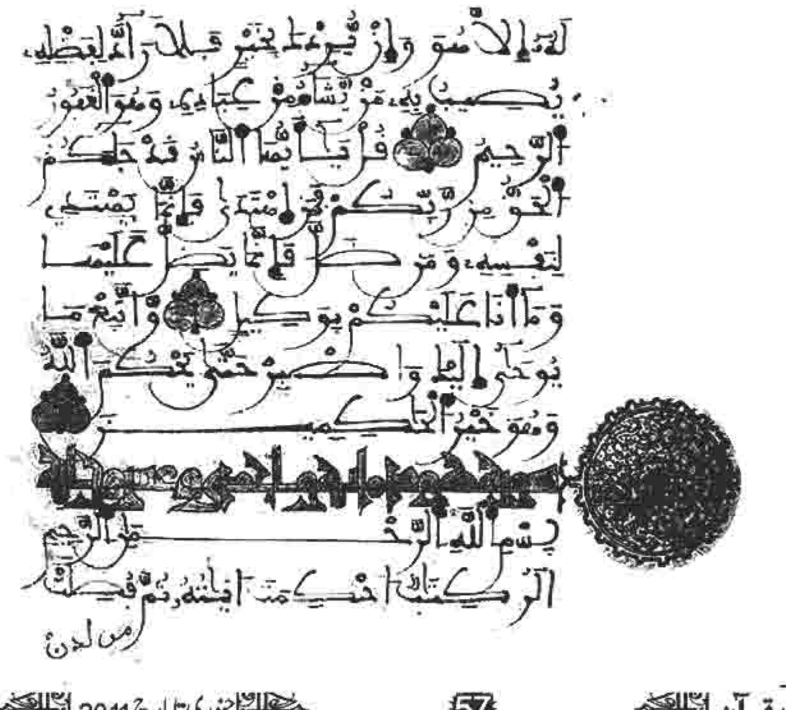

له إلا هو وإن يردك بخير فلا راد لفضله
يصيب به من يشاء من عباده وهو الغفور
الرحيم قل يا أيها الناس قد جاءكم
الحق من ربكم فمن اهتدى فإنما يهتدي
لنفسه ومن ضل فإنما يضل عليها
وما أنا عليكم بوكيل واتبع ما
يوحى إليك واصبر حتى يحكم الله
وهو خير الحاكمين
بسم الله الرحمن الرحيم
الر كتاب أحكمت آياته ثم فصلت
من لدن

(عکس نمبر ۱۰)

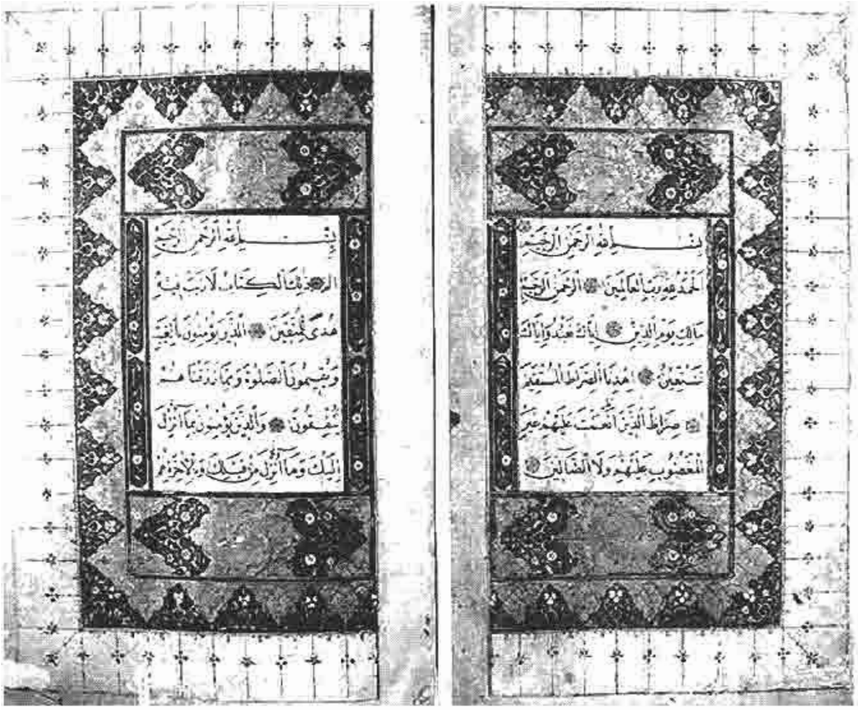

(عکس نمبر ۱۱)

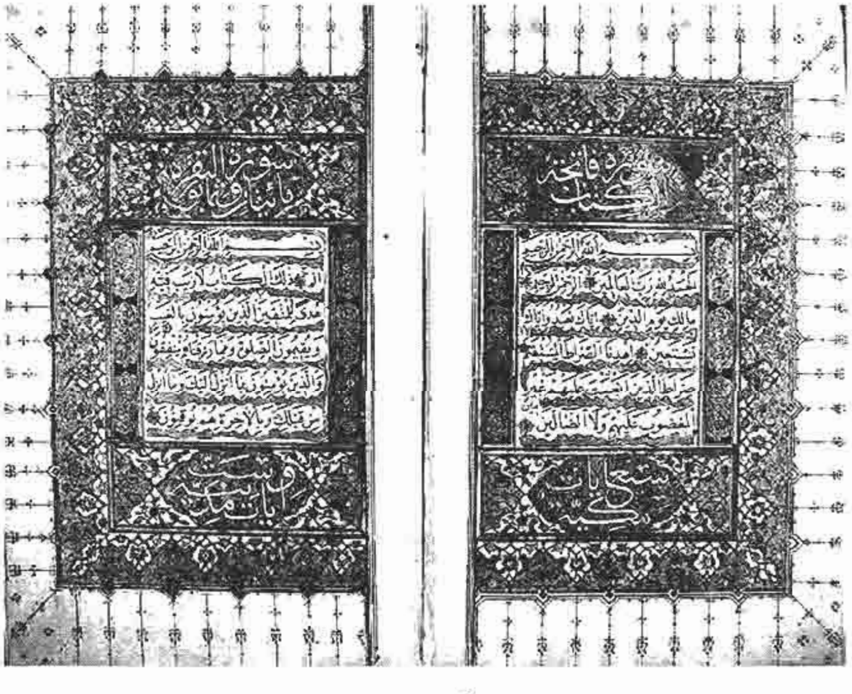

(عکس نمبر ۱۲)

وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُم بِأَمْرِهِمْ هَٰذَا وَهُمْ لَا
يَشْعُرُونَ ۝ وَجَاءُوا أَبَاهُمْ عِشَاءً يَبْكُونَ ۝ قَالُوا
يَا أَبَانَا إِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِندَ
مَتَاعِنَا فَأَكَلَهُ الذِّئْبُ وَمَا أَنتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا
صَادِقِينَ ۝ وَجَاءُوا عَلَىٰ قَمِيصِهِ بِدَمٍ كَذِبٍ قَالَ
بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنفُسُكُمْ أَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللَّهُ
الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ۝ وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ
فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَىٰ دَلْوَهُ قَالَ يَا بُشْرَىٰ هَٰذَا
غُلَامٌ وَأَسَرُّوهُ بِضَاعَةً وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ۝
وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ
الزَّاهِدِينَ ۝ وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِن مِّصْرَ لِامْرَأَتِهِ
أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ أَن يَنفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا

وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهُ مِن
تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ
النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا
وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا
عَن نَّفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ قَالَ
مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ
۝ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَن رَّأَىٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ
كَذَٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا
الْمُخْلَصِينَ ۝ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ
مِن دُبُرٍ وَأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَى الْبَابِ قَالَتْ مَا جَزَاءُ
مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَن يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝
قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَن نَّفْسِي وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا

(عکس نمبر ۱۴)

بقیہ ترجمہ قرآن مجید

ترجمہ:

تِلْكَ : یہ
حُدُوْدُ اللّٰهِ : اللہ کی حدیں ہیں
وَمَنْ : اور جو
يُّطِعِ : اطاعت کرے گا
اللّٰهَ : اللہ کی
وَرَسُوْلَهٗ : اور اس کے رسول کی
يُدْخِلْهُ : تو وہ داخل کرے گا ان کو
جَنّٰتٍ : ایسے باغات میں
تَجْرِيْ : بہتی ہیں
مِنْ تَحْتِهَا : نیچے سے جن کے
الْاَنْهٰرُ : نہریں
خٰلِدِيْنَ : ہمیشہ رہنے والے ہیں
فِيْهَا : جن میں
وَذٰلِكَ : اور یہ
الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ : شاندار کامیابی ہے
وَمَنْ : اور جو
يَّعْصِ : نافرمانی کرے گا
اللّٰهَ : اللہ کی
وَرَسُوْلَهٗ : اور اس کے رسول کی
وَيَتَعَدَّ : اور تجاوز کرے گا
حُدُوْدَهٗ : اس کی حدوں سے
يُدْخِلْهُ : تو وہ داخل کرے گا اس کو
نَارًا : ایک ایسی آگ میں
خَالِدًا : ہمیشہ رہنے والا ہے
فِيْهَا : جس میں
وَلَهٗ : اور اس کے لیے ہی
عَذَابٌ مُّهِيْنٌ : ایک رُسوا کرنے والا عذاب ہے

شریعتِ اسلامی میں شراب نوشی کی سزا (۲)

حافظ نذیر احمد ہاشمی

حدِ شُرب اور حدِ سُکر

حنفیہ کے نزدیک حرام مشروبات کے پینے پر دو قسم کی حد لاگو ہوتی ہے: ایک حدِ شُرب اور ایک حدِ سُکر۔

حدِ شرب صرف خمر کے پینے پر لاگو ہوتی ہے' چاہے قلیل مقدار میں ہو یا کثیر مقدار میں اور چاہے اس کے پینے سے نشہ ہو یا نہ ہو' اور حد سکر خمر کے ماسوا نشہ آور مشروبات کے پینے پر لاگو ہوتی ہے بشرطیکہ ان مشروبات کے پینے سے نشہ ہو جائے' بصورت دیگر ان کے پینے پر حد لاگو نہیں ہوتی۔ جبکہ جمہور فقہاء خمر اور اس کے علاوہ دیگر حرام مشروبات کے درمیان اس لحاظ سے کوئی فرق نہیں کرتے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہر وہ مشروب جس کی کثیر مقدار نشہ آور ہو تو اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے اور اس کے پینے والے پر حد ہے۔ بالفاظِ دیگر خمر اور دیگر حرام مشروبات کا حکم ایک ہی ہے کہ دونوں کی کثیر اور قلیل مقدار حرام ہے اور جس طرح خمر کی قلیل مقدار پینے پر حد ہے' چاہے وہ نشہ آور نہ بھی ہو' اسی طرح دیگر حرام مشروبات کے قلیل مقدار پینے پر بھی حد ہے' چاہے وہ نشہ نہ کرتی ہو۔ ان کی دلیل رسول اللہ ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے:

((كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَكُلُّ خَمْرٍ حَرَامٌ)) (۲۲)

''ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور ہر خمر حرام ہے۔''

نشہ کا ضابطہ

امام ابوحنیفہ ؒ کا کہنا ہے کہ موجب للحد نشہ وہ ہے جو عقل کو زائل کر دے' بایں طور کہ عقل بالکل کام چھوڑ دے' نہ تو آسمان و زمین میں کوئی فرق کر سکے نہ مرد و عورت میں' اور نہ کوئی بات سمجھ سکے۔ جبکہ صاحبین اور باقی ائمہ کے نزدیک سُکران (نشے میں مدہوش) کی تعریف یہ ہے کہ جس کی گفتگو کا اکثر حصہ ہذیان پر مشتمل ہو' کیونکہ عرفِ عام میں سُکران اس شخص کو کہا جاتا ہے جو ہذیان بکتا ہو اور اس کی گفتگو مختلط (گڈمڈ) ہو۔ حنفیہ کے نزدیک فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ (۲۳)

نشہ آور مشروبات

نشہ آور مشروبات درج ذیل ہیں:

خمر' سکر' فضیخ' نقیع الزبیب' طلاء' باذق' منصف' مثلث' جمہوری' خلیطان' مزرجعۃ' بتع۔

علامہ کاسانی نے ''بدائع الصنائع'' میں مذکورہ بالا اقسام میں سے ہر ایک قسم کی درج ذیل تعریف بیان کی ہے:

(۱) **سکر** ۔کھجور کا شیرہ، جس وقت اس میں خوب جوش آ جائے اور گاڑھا ہو جائے اور جھاگ اٹھ کر ابلنے لگے۔
(۲) **فضیح** ۔نیم پختہ کھجوروں کا شیرہ، جب اس میں خوب جوش آ کر گاڑھا ہوا اور جھاگ اٹھ کر ابلنے لگے۔
(۳) **طلاء** ۔انگور کا شیرہ، جس کو اتنا پکایا جائے کہ دو تہائی جل جائے اور مسکر بن جائے۔
(۴) **منصف** ۔ انگور کا شیرہ، جس کو اتنا پکایا جائے کہ اس کا نصف حصہ جل جائے اور نشہ آور ہو جائے۔
(۵) **باذق** ۔انگور کا شیرہ، جس کو اتنا پکایا جائے کہ اس کا نصف سے کم حصہ جل کر نشہ آور ہو جائے۔
(۶) **جمهوری** ۔انگور کا شیرہ، جس کو اتنا پکایا جائے کہ اس کا دو تہائی حصہ جل جائے اور پھر اس میں دو تہائی جلے ہوئے حصے کے مقدار پانی ڈال کر ہلکا سا جوش دے کر نشہ آور بن جائے۔
(۷) **نقیع الزبیب** ۔کشمش جس کو پانی میں بھگو دیا جائے حتیٰ کہ اس کی مٹھاس پانی میں شامل ہو جائے اور گاڑھا ہو کر اس میں سے جھاگ اٹھنے لگے۔
(۸) **خلیطان** ۔خشک کھجوروں (چھوہاروں) اور کشمش کا آمیزہ یا نیم پختہ اور پختہ کھجوروں کا آمیزہ جس میں جوش آ کر گاڑھا ہو جائے۔
(۹) **مزر** ۔مکئی کا نبیذ جب وہ نشہ آور ہو جائے۔
(۱۰) **جعة** ۔گندم اور جو کا نبیذ جب وہ نشہ آور ہو جائے۔
(۱۱) **بتع** ۔شہد کا نبیذ جب وہ نشہ آور ہو جائے۔
(۱۲) **خمر** ۔انگور کا کچا شیرہ، جب اس کو جوش آ جائے اور گاڑھا ہو کر جھاگ اٹھ جائے۔ صاحبین کے نزدیک جھاگ اٹھنا شرط نہیں، جھاگ اٹھے یا نہ اٹھے، اس پر خمر کے احکام لاگو ہوں گے۔ ان کے بقول خمر میں بنیادی چیز نشہ لانے والی کیفیت (اِسکار) ہے اور یہ کیفیت جھاگ آئے بغیر بھی ہو سکتی ہے، جبکہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ اسکار میں کمال اور پختگی قذف بالزبد سے ہوتی ہے، لہٰذا جھاگ آئے بغیر اس کو خمر نہیں کہا جا سکتا۔(۲۴)

شیخین (امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ) کے نزدیک حلال مشروبات(۲۵)

(**۱**) کھجور اور کشمش کی نبیذ، ان میں سے ہر ایک کو اگر ادنیٰ مقدار میں پکایا جائے۔ شیخین کی رائے میں اس کا پینا بلا لہو و طرب بطور دوا، کھانا ہضم کرنے اور اللہ کی اطاعت کے لیے حصولِ قوت کی غرض سے جائز ہے جب تک وہ نشہ آور نہ ہو، یعنی صرف اتنی مقدار پینا جائز ہے جو نشہ آور نہ ہو۔ لیکن جب پینے والے کو گمان غالب ہو جائے کہ اگلا گلاس یا پیالہ نشہ آور ہے تو وہی آخری پیالہ اور گلاس پینا حرام ہوگا۔
(**۲**) کشمش اور کھجور کا آمیزہ اگر اس کو ادنیٰ مقدار میں پکایا جائے، اس کا پینا بھی لہو و طرب کی نیت سے نہیں، بلکہ قوت حاصل کرنے کی نیت سے جائز ہے۔
(**۳**) شہد، انجیر، گندم اور جوار کی نبیذ حلال ہے چاہے پکایا جائے یا نہ، بشرطیکہ اس کا پینا لہو و طرب کی نیت سے نہ ہو۔ شہد کی نبیذ کو جب مسکر ہو جائے ''بتع'' گندم اور جو کی نبیذ کو جب مسکر ہو جائے ''جعة'' اور جوار کی نبیذ کو جب مسکر ہو جائے ''مزر'' کہا جاتا ہے۔ یہ مذکورہ بالا نبیذیں جب تک ان میں نشہ لانے کی کیفیت نہ ہو امام ابوحنیفہؒ

کے نزدیک جائز ہیں۔(۲۶)

(۴) انگور کا شیرہ اتنا پکایا جائے کہ دو تہائی حصہ جل جائے اور ایک تہائی رہ جائے' اس کا پینا بطور دوا' کھانا ہضم کرنے اور قوت حاصل کرنے کی نیت سے حلال ہے۔

مذکورہ بالا چاروں مشروبات کے حکم کے بارے میں حنفیہ نے امام محمدؒ کی رائے اختیار کی ہے جو مطلقاً حرمت کی ہے۔ ابن قدامہ نے لکھا ہے:

كل مسكر حرام قليله وكثيره وهو خمر' حكمه حكم عصير العنب في تحريمه' ووجوب الحد على شاربه' وروى تحريم ذلك عن عمر و علي وابن مسعود وابن عمر وابي هريرة وسعد بن ابي وقاص واُبي بن كعب وانس وعائشة (رضي الله عنهم) وبه قال عطاء وطاوٗس و مجاهد والقاسم وقتادة وعمر بن عبد العزيز ومالك والشافعي وابوثور و ابوعبيد واسحاق۔وقال ابوحنيفة في عصير العنب اذا طبخ فذهب ثلثاه ونقيع التمر والزبيب اذا طبخ وان لم يذهب ثلثاه ونبيذ الحنطة والذرة والشعير ونحو ذلك نقيعًا كان او مطبوخًا كل ذلك حلال الا ما بلغ السكر فاما عصير العنب اذا اشتد وقذف زبده او طبخ فذهب اقل من ثلثيه ونقيع التمر والزبيب اذا اشتد بغير طبخ فهذا محرم قليله وكثيره لما روى ابن عباس عن النبيﷺ قال: ((حُرِّمَتِ الْخَمْرُ بِعَيْنِهَا وَالْمُسْكِرُ مِنْ كُلِّ شَرَابٍ))۔(۲۷)

''ہر نشہ آور شے حرام ہے' خواہ قلیل مقدار میں ہو یا کثیر مقدار میں' اور ہر نشہ آور خمر ہے اور اس کا حکم حرمت اور پینے والے پر وجوبِ حد کے حوالے سے اسی طرح ہے جس طرح انگور کے شیرے کا ہے اور ہر نشہ آور شے کی حرمت اور اس کے پینے پر حد کا وجوب درج ذیل حضرات سے منقول ہے۔ صحابہ کرامؓ میں سے: حضرت عمر' حضرت علی' عبداللہ بن مسعود' عبداللہ بن عمر' ابوہریرہ' سعد بن ابی وقاص' اُبی بن کعب' انس' عائشہ رضی اللہ عنہم۔ اور تابعین میں سے عطاء' طاؤس' مجاہد' قاسم' قتادہ' عمر بن عبدالعزیز اور تبع تابعین میں سے امام مالک' امام شافعی' ابوثور' ابوعبید اور اسحاق (رحمہم اللہ)۔ جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اگر انگور کا شیرہ اتنا پکایا جائے کہ اس کا دو تہائی حصہ جل جائے اور چھوہاروں اور کشمش کو پانی میں بھگو کر اگر پکایا جائے اگرچہ دو تہائی سے کم حصہ جل جائے' اسی طرح گندم' مکئی اور جو کا نبیذ چاہے کچا ہو یا پکایا ہوا حلال ہیں' بشرطیکہ نشہ آور نہ ہوں' اور انگور کا شیرہ اگر گاڑھا ہو کر اس سے جھاگ اٹھنے لگے یا اس کو اتنا پکایا جائے کہ دو تہائی سے کم حصہ اس کا جل جائے' اسی طرح پانی میں بھگوئے ہوئے چھوہارے اور کشمش اگر بغیر پکائے گاڑھے ہو جائیں تو یہ سب کے سب حرام ہیں چاہے قلیل مقدار ہو یا کثیر۔ اور دلیل عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے جس میں نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے:

''خمر کی ذات (بعینہٖ) حرام ہے (چاہے قلیل مقدار میں ہو یا کثیر مقدار میں) اور ہر مشروب میں سے نشہ لانے والی مقدار حرام ہے۔''(۲۸)

الحاصل: حنفیہ کے نزدیک خمر کے علاوہ مسکرات میں حد کا تعلق نشہ کے ساتھ ہے۔ چنانچہ پانی میں بھگوئے ہوئے چھوہارے اور کشمش اگر جوش مار کر گاڑھے ہو جائیں تو اس کی قلیل اور کثیر دونوں مقدار حرام ہوگی لیکن اس

کا نام نبیذ ہوگا نہ کہ خمر اور نشہ آور ہونے کی صورت میں نجاست غلیظہ ہونے کے ساتھ اس کے پینے والے پر حد بھی لگائی جائے گی۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ((اَلْخَمْرُ مِنْ هَاتَيْنِ الشَّجَرَتَيْنِ)) اور یہ فرماتے ہوئے آپؐ نے انگور اور کھجور کی طرف اشارہ فرمایا۔ اور اگر دونوں کا پانی پکایا جائے تو پینے والے کو جس مقدار میں پینے پر نشہ نہ ہونے کا گمان غالب ہو تو اتنی مقدار میں اس کا پینا بغیر لہو وطرب کی نیت کے جائز ہوگا —— جہاں تک گندم' انجیر' چاول' جو' مکئی اور شہد کے نبیذ کا تعلق ہے تو امام صاحب کے نزدیک حلال ہے چاہے کچا ہو یا پکایا ہوا ہو۔ البتہ اس کی مقدارِ مسکر حرام ہوگی اور اگر پینے والے کو نشہ ہو جائے تو اس پر حد بھی لگے گی۔(۲۹)

خلاصہ یہ کہ عراقیین' ابراہیم النخعی' سفیان ثوری' عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ' شریک' ابن شبرمہ' امام ابوحنیفہ ؒ تمام فقہاءِ کوفہ اور اکثر علماءِ بصرہ کا مذہب یہ ہے کہ خمر کے علاوہ نشہ آور نبیذیں بعینہٖ حرام نہیں بلکہ ان کی مقدارِ کثیر جو نشہ آور ہو حرام ہے۔ جبکہ صحابہ اور تابعین میں سے جمہور فقہاء' ائمہ ثلاثہ اور حنفیہ میں سے امام محمد بن الحسن کا مذہب (فقہ حنفی میں فتویٰ ان ہی کے قول پر ہے) یہ ہے کہ ''ہر مسکر خمر ہے اور ہر خمر حرام ہے''۔ خمر کی تعریف میں اس اختلاف کا سبب اس بارے میں وارد آثار کا اختلاف ہے۔

جمہور کے مسلک (ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور اس کی مقدار قلیل وکثیر دونوں حرام ہیں) کے دلائل

(۱) حضرت جابر ؓ کی روایت ہے کہ:

''ایک یمنی شخص نے رسول اللہ ﷺ سے جوار کی شراب (جسے وہاں کے لوگ پیتے تھے اور جس کو 'مزر' کہتے تھے) کے متعلق دریافت کیا (کہ حلال ہے یا نہیں؟) آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ اس سے نشہ ہوتا ہے؟ عرض کیا ہاں۔ فرمایا: ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔''(۳۰)

(۲) عبداللہ بن عمر ؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ))

''ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور ہر نشہ آور حرام ہے۔''

اور ان ہی سے مروی ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

((كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَكُلُّ خَمْرٍ حَرَامٌ)) (۳۱)

''ہر نشہ آور شے خمر ہے اور ہر خمر حرام ہے''۔

(۳) صحیحین کی روایت از ابن عمر ؓ ہے:

قَامَ عُمَرُ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ: اَمَّا بَعْدُ' نَزَلَ تَحْرِيْمُ الْخَمْرِ وَهِيَ مِنْ خَمْسَةٍ: اَلْعِنَبِ' وَالتَّمْرِ' وَالْعَسَلِ' وَالْحِنْطَةِ' وَالشَّعِيْرِ' وَالْخَمْرُ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ (۳۲)

''حضرت عمر ؓ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ خمر کی حرمت نازل ہوگئی تھی جبکہ خمر ان پانچ چیزوں سے بنتی تھی انگور' کھجور' شہد' گیہوں اور شہد۔ اور خمر اسی کو کہتے ہیں جو عقل کو خراب کر دے۔''

(۴) حضرت نعمان بن بشیر ؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ مِنَ الْعِنَبِ خَمْرًا وَاِنَّ مِنَ التَّمْرِ خَمْرًا وَاِنَّ مِنَ الْعَسَلِ خَمْرًا وَاِنَّ مِنَ الْبُرِّ خَمْرًا وَاِنَّ مِنَ الشَّعِيْرِ خَمْرًا)) (۳۳)

''بے شک خمر انگور، کھجور، شہد، گیہوں اور جو سے بنتی ہے۔''

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ ہی کی دوسری روایت کے الفاظ درج ذیل ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

((اِنَّ الْخَمْرَ مِنَ الْعَصِيْرِ وَالزَّبِيْبِ وَالتَّمْرِ وَالْحِنْطَةِ وَالشَّعِيْرِ وَالذُّرَةِ وَاِنِّيْ اَنْهَاكُمْ عَنْ كُلِّ مُسْكِرٍ))

''بے شک خمر (انگور کے) شیرے، کشمش، کھجور، گیہوں، جو اور مکئی سے بنتی ہے اور میں ہر نشہ آور شے سے تمہیں منع کرتا ہوں۔''

(۵) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَا اَسْكَرَ كَثِيْرُهٗ فَقَلِيْلُهٗ حَرَامٌ)) (۳٤)

''ہر وہ شے جس کی کثیر مقدار نشہ کرے تو اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے۔''

(٦) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

((كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ وَمَا اَسْكَرَ الْفَرَقُ مِنْهُ فَمِلْءُ الْكَفِّ مِنْهُ حَرَامٌ)) (۳۵)

''جس مشروب کا ایک فرق (ایک مخصوص پیمانہ) نشہ کرے تو اس کا ہتھیلی بھر پینا بھی حرام ہے۔''

(۷) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بتع (شہد کی بنی ہوئی شراب) کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((كُلُّ شَرَابٍ اَسْكَرَ فَهُوَ حَرَامٌ)) (۳٦)

''ہر مشروب جو نشہ کرے حرام ہے۔''

(۸) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شہد کی بنی ہوئی شراب کے متعلق سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ذَاكَ الْبِتْعُ)) قُلْتُ وَيُنْتَبَذُ مِنَ الشَّعِيْرِ وَالذُّرَةِ قَالَ : ((ذٰلِكَ الْمِزْرُ)) ثُمَّ قَالَ : ((اَخْبِرْ قَوْمَكَ اَنَّ كُلَّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ)) (۳۷)

''یہ بتع ہے۔ میں نے کہا کہ جو اور مکئی سے بھی نبیذ بنایا جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو مزر کہا جاتا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: اپنی قوم کو بتا دو کہ ہر نشہ آور حرام ہے۔''

(۹) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

اَنَّ رَجُلًا قَدِمَ مِنْ جَيْشَانَ وَجَيْشَانُ مِنَ الْيَمَنِ فَسَاَلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ شَرَابٍ يَشْرَبُوْنَهٗ بِاَرْضِهِمْ مِنَ الذُّرَةِ يُقَالُ لَهُ الْمِزْرُ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ ((اَوَ مُسْكِرٌ هُوَ؟)) قَالَ : نَعَمْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :((كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ......)) (۳۸)

ایک شخص نے یمن کے جیشان نامی گاؤں سے آ کر رسول اللہ ﷺ سے مکئی سے بنی ہوئی شراب (جس کو مزر کہا جاتا تھا) کے متعلق سوال کیا جو ان کے علاقے میں پی جاتی تھی۔ آپؐ نے سوال کیا کیا وہ نشہ آور ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہر نشہ آور حرام ہے۔''

(۱۰) ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس وقت خمر حرام ہوئی مدینہ منورہ میں انگوری شراب بالکل نہ تھی۔''(۳۹)

(۱۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جس وقت شراب حرام ہوئی اس وقت مدینہ منورہ میں انگوری شراب بہت کم ملتی تھی، ہماری زیادہ تر شراب کچے پکے چھوہاروں کی ہوتی تھی۔(۴۰)

(۱۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ خمر حرام ہونے کے دن میں ساقی بنا ہوا تھا اور اس وقت کچے پکے چھوہاروں کی شراب کے سوا اور کوئی شراب نہ تھی۔ یہ روایت متفق علیہ ہے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ کُنْتُ اَسْقِی اَبَا طَلْحَۃَ وَاَبَا دُجَانَۃَ وَمُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ فِیْ رَھْطٍ مِنَ الْاَنْصَارِ(۴۱)

اور ایک روایت میں ہے:

اِنِّی لَاَسْقِیْ اَبَا طَلْحَۃَ وَاَبَادُجَانَۃَ وَسُھَیْلَ بْنَ بَیْضَاءَ(۴۲)

اور ایک روایت میں یہ ہے:

کُنْتُ اَسْقِی اَبَا عُبَیْدَۃَ بْنَ الْجَرَّاحَ وَاَبَا طَلْحَۃَ وَاُبَیَّ بْنَ کَعْبٍ (۴۳)

اور ایک روایت میں یہ ہے:

اِنِّی لَقَائِمٌ عَلَی الْحَیِّ، عَلٰی عُمُوْمَتِیْ، اَسْقِیْھِمْ مِنْ فَضِیْخٍ لَھُمْ (۴۴)

کہ اتنے میں ایک آدمی نے آ کر کہا کہ خمر حرام ہو گئی ہے۔ پینے والوں نے مجھے کہا اے انس! یہ برتن اوندھا کر دو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: وَاِنَّھَا لَخَلِیْطُ الْبُسْرِ وَالتَّمْرِ وہ شراب کچے پکے چھوہاروں کی تھی۔ اس خبر کے بعد نہ اس شخص سے شراب کی بابت پوچھا اور نہ کسی سے اس کی تحقیق کی گئی۔

اگر آیت کریمہ میں مذکور ''خمر'' کا عام معنی مراد نہ ہو تو جواب سوال کے مطابق نہ ہوگا، کیونکہ سوال تو اسی شراب کے بارے میں تھا جسے سوال کے وقت لوگ پیتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی تھی یارسول اللہ! ہمیں اس خمر کی بابت فتویٰ دیجیے، کیونکہ یہ عقل کو فاسد کر دیتی ہے۔ جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَعَنِ الصَّلٰوۃِ﴾ (المائدۃ:۹۱)

اللہ تعالیٰ نے مدینہ میں عام طور پر مستعمل کچے پکے چھوہاروں کی شراب کو خمر کا نام دے کر اس کی حرمت بیان فرما دی۔ اس میں انگور کے شیرے کی کوئی تخصیص نہیں ہے، کیونکہ بقول ابن عمر رضی اللہ عنہما حرمتِ شراب کے وقت مدینہ منورہ میں انگوری شراب بالکل نہ تھی۔

(۱۳) عن عمر رضی اللہ عنہ .... اَلْخَمْرُ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ (۴۵)

''خمر وہ ہے جو عقل میں خمار پیدا کر دے۔''

(۱۴) عن اُمّ سلمۃ رضی اللہ عنہا قَالَتْ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَنْ کُلِّ مُسْکِرٍ وَمُفَتِّرٍ(۴۶)

”رسول اللہ ﷺ نے ہر نشہ آور اور جسم میں فتور پیدا کرنے والی چیز سے منع فرمایا ہے۔“

(۱۵) حضرت دیلم حمیری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا :

اِنَّا بِاَرْضٍ بَارِدَةٍ نُعَالِجُ فِيْهَا عَمَلًا شَدِيْدًا وَاِنَّا نَتَّخِذُ شَرَابًا مِنْ هٰذَا الْقَمْحِ نَتَقَوّٰى بِهٖ عَلٰى اَعْمَالِنَا وَعَلٰى بَرْدِ بِلَادِنَا۔ قَالَ : ((هَلْ يُسْكِرُ؟)) قُلْتُ : نَعَمْ، قَالَ : ((فَاجْتَنِبُوْهُ)) قَالَ: فَقُلْتُ : فَاِنَّ النَّاسَ غَيْرُ تَارِكِيْهِ، قَالَ : ((فَاِنْ لَمْ يَتْرُكُوْهُ فَقَاتِلُوْهُمْ)) (۴۷)

”حضور! ہم سرد ملک کے رہنے والے ہیں اور وہاں بڑے مشقت کے کام کرتے ہیں۔ اور ان کاموں کے کرنے کی طاقت حاصل کرنے اور اس ملک کی سردی سے بچنے کی غرض سے اس گیہوں کی ہم شراب بناتے ہیں۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ اس میں نشہ ہوتا ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا: ”اس سے پرہیز کرو“۔ میں نے کہا حضورؐ! لوگ اسے چھوڑیں گے نہیں۔ فرمایا: ”اگر نہ چھوڑیں تو تم ان سے قتال کرنا۔“

الحاصل یہ کہ جمہور فقہاء حجاز اور جمہور محدثین کا مسلک ہے کہ تمام تر نبیذیں حرام ہیں چاہے اس کی مقدار قلیل ہو یا قدر کثیر مسکر۔ ان کے نزدیک ہر وہ مشروب جس کی کثیر مقدار مسکر ہو وہ خمر ہے اور حرام ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے سابقہ آثار و روایات سے استدلال کیا ہے۔ ان کے مقابلے میں عراقیین' ابراہیم نخعی' سفیان ثوری' عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ' شریک' ابن شبرمہ' امام ابوحنیفہ' تمام فقہاء کوفہ اور اکثر علماء بصریین کا مسلک یہ ہے کہ خمر کا اطلاق انگور کے کچے رس پر ہوتا ہے جس میں جوش یا جھاگ پیدا ہو گئی ہو' جبکہ دیگر مشروبات میں سے اس کی صرف قدر مسکر حرام ہے ان کی عین حرام نہیں۔ جبکہ خمر بعینہٖ حرام ہے' اس کی حرمت مسکر کی وجہ سے نہیں لہٰذا اس کی وہ قلیل مقدار جو مسکر نہ ہو وہ بھی قطعی حرام ہے۔ بالفاظِ دیگر خمر کی حرمت معلول بالسکر نہیں کہ سکر ہو گا تو حرام ورنہ نہیں۔ جب اس کی حرمت معلول ہی نہیں تو اس پر دوسری مسکرات کو قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ ان کی قلیل مقدار بھی خمر کی طرح حرام ہو۔ جبکہ امام شافعی وغیرہ (فقہاء حجاز اور محدثین) خمر کی حرمت کو معلول بالسکر مانتے ہیں' جیسا کہ صاحبِ ہدایہ نے لکھا ہے:

ان عينها حرام غير معلول بالسكر ولا موقوف عليه' ومن الناس من انكر حرمة عينها وقال ان السكر منه حرام لان به يحصل الفساد وهو الصد عن ذكر الله وهذا كفر' لانه حجود الكتاب فانه سماه رجسًا والرِّجْسُ ما هو محرم العين وقد جاء ت السنة ان النبى ﷺ حرم الخمر وعليه انعقد الاجماع' ولان قليله يدعو الى كثيره وهذا من خواص الخمر ولهذا تزداد اللذة بالاستكثار منه بخلاف سائر المطعومات۔ ثم هو غير معلول عندنا حتى لا يتعدى حكمه الى سائر المسكرات والشافعى يعديه اليها' وهذا بعيد لانه خلاف السنة المشهورة' وتعليل لتعدية الاسم والتعليل فى الاحكام لا فى الاسماء(۴۸)

”بے شک عین خمر (ذاتِ خمر) حرام ہے اور اس کی حرمت کی علّت سکر نہیں اور نہ ہی اس کی حرمت سکر پر موقوف ہے۔ بعض لوگوں نے عین خمر کی حرمت سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ خمر کی صرف مقدار مسکر حرام ہے' کیونکہ مسکر ہی موجبِ فساد ہے اور وہی اللہ کے ذکر سے روکتا ہے۔ ان کا یہ کہنا کفر ہے کیونکہ یہ کتاب

اللہ کا انکار ہے' اس لیے کہ کتاب اللہ نے خمر کو رجس کہا ہے اور رجس محرم العین ہی کو کہا جاتا ہے اور حدیث متواتر کے درجہ میں وارد ہوئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس کو حرام قرار دیا ہے اور اسی پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ اور اس لیے کہ خمر کی مقدار قلیل کثیر کی جانب داعی ہوتی ہے اور یہ اس کے خواص میں سے ہے' یہی وجہ ہے کہ اس کے پینے والے کو زیادہ سے زیادہ پینے سے لذّت بڑھتی جاتی ہے بخلاف دیگر مطعومات کے۔ پھر خمر کی حرمت ہمارے نزدیک معلول بالعلت نہیں ہے' لہٰذا اس کا حکم تمام مسکرات کی طرف متعدی نہ ہوگا' جبکہ امام شافعی وغیرہ نے اس کی حرمت کو تمام مسکرات کی طرف متعدی کیا ہے لیکن ان کا یہ قیاس بعید ہے کیونکہ ایک تو سنت مشہورہ (الخمر بعینها حرام والسکر من کل شراب) کے خلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ تعلیل احکام میں ہوتی ہے اسماء میں نہیں۔ (امام شافعی اس تعلیل سے غیر خمر کو خمر کہنے کے درپے ہیں اور پھر تمام مسکرات پر خمر کا حکم جاری کرنا چاہتے ہیں)۔''

خمر کے مندرجہ بالا اطلاق (صرف انگور کا کچا رس ہے' جس میں جوش یا جھاگ پیدا ہوگئی ہے) کے دلائل

(۱) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

اتی النبی ﷺ بنشوان فقال له: ((اَشَرِبْتَ خَمْرًا؟)) فقال: مَا شَرِبْتُهَا مُنْذُ حَرَّمَهَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ' قَالَ: ((فَمَا ذَا شَرِبْتَ؟)) قَالَ: الْخَلِيْطَيْنِ. قَالَ: فَحَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْخَلِيْطَيْنِ۔

''رسول اللہ ﷺ کے پاس نشہ کی حالت میں ایک شخص لایا گیا۔ آپؐ نے اس سے دریافت فرمایا: ''کیا تم نے خمر (شراب) پی ہے؟'' اُس نے جواب دیا: جب سے اللہ اور اس کے رسول نے اسے حرام قرار دیا ہے میں نے اُسے ہاتھ نہیں لگایا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''پھر تم نے کیا پی رکھا ہے؟'' اس نے جواب دیا: ''خلیطین'' (دو چیزوں کو ملا کر بنایا جانے والا مشروب) راوی فرماتے ہیں کہ پھر آپؐ نے خلیطین کو حرام قرار دیا۔''

اس شخص نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس مشروب (خلیطین) سے لفظ خمر کی نفی کر دی' لیکن حضور ﷺ نے اس پر انکار نہیں فرمایا۔ اگر لغت یا شریعت کی رو سے اس پر خمر کا اطلاق ہوتا تو آپ اس شخص کو ایسا کہنے کی ہرگز اجازت نہ دیتے' اس لیے کہ جس نام کے ساتھ حکم کا تعلق ہو اس کی نفی گویا حکم کی نفی ہوتی ہے — اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ لفظ ''خمر'' کا اطلاق تمام تر مشروبات پر نہیں بلکہ صرف انگور کے کچے' تیز اور جھاگ دینے والے رس پر ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ جب خلیطین پر (باوجودیکہ اس میں سکر پیدا کرنے کی قوت ہوتی ہے) اس کا اطلاق نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ اس کا اطلاق صرف مذکورہ بالا معنی پر ہوتا ہے۔

(۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ سے مشروبات کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((حَرَّمَ اللّٰهُ الْخَمْرَ بِعَيْنِهَا وَالسُّكْرَ مِنْ كُلِّ شَرَابٍ)) (۴۹)

''اللہ تعالیٰ نے خمر کو تو بعینہٖ حرام ٹھہرایا ہے اور ہر مشروب سے پیدا ہونے والا نشہ بھی حرام کیا ہے۔''

(۳) حارث بن النعمان رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ سے یہ

حدیث بیان کرتے ہوئے سنا:

((اَلْخَمْرُ بِعَيْنِهَا حَرَامٌ وَالسُّكْرُ مِنْ كُلِّ شَرَابٍ)) (۵۰)

''خمر تو بعینہ حرام ہے اور ہر مشروب سے پیدا ہونے والا نشہ بھی حرام ہے۔''

عبداللہ بن شداد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس قسم کی روایت نقل کی ہے۔ (۵۱)

ابوبکر جصاص نے لکھا ہے کہ یہ حدیث بہت سے معانی پر مشتمل ہے:

اوّل یہ کہ لفظ خمر شراب کے ساتھ مخصوص ہے' کسی اور مشروب کو شراب کا نام نہیں دیا جاتا اور انگور کے رس پر لفظ خمر کے اطلاق میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ دیگر مشروبات پر اس لفظ کا اطلاق نہیں ہوتا' اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((وَالسُّكْرُ مِنْ كُلِّ شَرَابٍ))۔ اس حدیث کی اس بات پر بھی دلالت ہو رہی ہے کہ خمر کے علاوہ بقیہ تمام مشروبات میں مقدار مسکر حرام ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو ان مشروبات میں سکر پیدا کرنے والی صورت پر حرمت کا حکم محدود نہ کیا جاتا اور حرمت کے لحاظ سے ان میں اور خمر میں فرق نہ رکھا جاتا۔

یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کر رہی ہے کہ تحریم خمر کا حکم خمر تک محدود ہے' دوسرے مشروبات تک یہ حکم متعدی نہیں ہے' نہ قیاساً اور نہ استدلالاً۔ اس لیے کہ تحریم کے حکم کو عین خمر کے ساتھ اس کی کسی خصوصیت کا لحاظ رکھے بغیر متعلق کیا گیا ہے اور یہی چیز قیاس کے جواز کی نفی کرتی ہے۔ کیونکہ ہر وہ اصل (مقیس علیہ) جس پر کسی دوسری فرع (غیر منصوص علیہ) کو قیاس کرنے کی گنجائش ہوتی ہے اس اصل (مقیس علیہ) کے حکم کا تعلق اس کی ذات سے نہیں ہوتا' بلکہ اس کا تعلق اس کے کسی وصف کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور وہ وصف (علّت) مدارِ حکم بنتا ہے اور جب اس وصف کی موجودگی غیر منصوص (فرع) میں ہو جائے تو اس پر بھی وہی حکم لگایا جائے گا۔ بالفاظِ دیگر اصل اور مقیس علیہ کا حکم اس وصف کے تابع ہوتا ہے اور وہ وصف جہاں جہاں پایا جائے گا اصل اور مقیس علیہ کا حکم اس تک متعدی ہوتا جائے گا۔'' (۵۲)

(۴) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے' وہ فرماتے ہیں:

لَقَدْ حُرِّمَتِ الْخَمْرُ وَمَا بِالْمَدِيْنَةِ مِنْهَا شَيْءٌ (۵۳)

''جس دن خمر کی حرمت ہوئی اس دن مدینہ منورہ میں خمر نام کی کوئی شے نہیں تھی۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مادری زبان عربی تھی اور وہ خمر کی حقیقت جانتے تھے۔ اسی لیے تو انہوں نے مدینہ منورہ میں استعمال ہونے والی نشہ آور مشروبات (جو اکثر خشک اور بسر یعنی گدر کھجور سے بنائی جاتی تھیں) جیسا کہ حضرت جابر اور حضرت انس رضی اللہ عنہما کی روایات میں تصریح ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: نَزَلَ تَحْرِيْمُ الْخَمْرِ ، وَمَا يَشْرَبُ النَّاسُ يَوْمَئِذٍ اِلَّا الْبُسْرَ وَالتَّمْرَ۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں كُنْتُ سَاقِيَ عُمُوْمَتِيْ مِنَ الْاَنْصَارِ حِيْنَ نَزَلَ تَحْرِيْمُ الْخَمْرِ فَكَانَ شَرَابُهُمْ يَوْمَئِذٍ الْفَضِيْخ '' سے لفظ خمر کی نفی فرما دی۔ جب ان مشروبات سے ابن عمرؓ نے خمر کی نفی فرما دی تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک خمر صرف انگور کا تیز جھاگ دار کچا رس تھا' اس کے علاوہ کسی اور مشروب پر خمر کا اطلاق نہیں ہوتا تھا۔

(۵) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

بعثنی رسولُ اللّٰہ ﷺ انا ومعاذًا الی الیمن ، فقلنا یارسول اللّٰہ :اِنَّ بھا شرابین یصنعان من البر والشعیر، احدھما یقال له :المزر، والاخر یقال له :البتع۔ فما نشرب؟ فقال علیه الصلوۃ والسلام :((اشربا ولا تسکرا)) (۵۴)

''رسول اللہ ﷺ نے مجھے اور معاذ بن جبل کو جب یمن بھیجنا چاہا تو ہم نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! یمن میں دو مشروب ہیں جو گیہوں اور جو سے بنائے جاتے ہیں' ایک کو مزر اور دوسرے کو بتع کہا جاتا ہے۔ کیا ان کے پینے کی ہمیں اجازت ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''پیو جب تک وہ نشہ نہ کرے۔''

(۶) خمر کے اس معنی ومفہوم کی تائید کے لیے ابوبکر جصاص نے اَعشیٰ اور ابوالاسود دؤلی کے اشعار پیش کیے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

وبدل علیه ان العرب کانت تسمی الخمر سبیئة ولم تکن تسمی بذلك سائر الاشربة المتخذة من تمر النخل لانها کانت تجلب الیها من غیر بلادها ولذلك، قال الاعشی :

وسبیئة مما یعتق ببابل کدم الذبیح سلبتها جریالها

وتقول :سبأت الخمر اذا شریتها فنقلوا الاسم الی المشرِیّ بعد ان کان الاصل انما هو بجلبها من موضع الی موضع علی عادتها فی الاتساع فی الکلام ۔ ویدل علیه ایضا قول ابی الاسود الدؤلی، وهو رجل من اهل اللغة حجة فیما قال منها ۔ فقال :

دَعِ الخمر تشربها الغواه فاننی رأیت اخاها مغنیًا لمکانها
فان لا تکُنْهُ اَوْ یکُنْهَا فانه اخوها غذته اُمه بلبانها

فجعل غیرها من الاشربة؟ اخالها بقوله :"رأیت اخاها مغنیا لمکانها" ومعلوم انه لو کان یسمی خمرا لما سماه اخالها، ثم اکده بقوله "فان لا تکنه او یکنها فانه اخوها" فاخبر انها لیست هو (۵۵)

''اس پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ عرب کے لوگ شراب کو سبیئه کہتے تھے جبکہ کھجور سے بنی ہوئی تمام مشروبات پر اس نام کا اطلاق نہیں ہوتا تھا۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ اسے غیر ممالک سے درآمد کیا جاتا تھا۔ اَعشیٰ کہتا ہے:

''ایسی شراب جو بابل میں تیار ہوئی تھی جس کا رنگ اس ذبح شدہ جانور کے خون کی طرح تھا جس کی کھال تم نے اتاری ہو''

جب آپ شراب خریدیں گے تو کہیں گے ''سبات الخمر'' اس اسم کا اطلاق پہلے خمر پر اس لیے ہوتا تھا کہ اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جاتا تھا' پھر کلام میں اتساع کی بنیاد پر (جو عربوں کی عادت تھی) اس اسم کا اطلاق خریدی ہوئی شراب پر ہونے لگا۔ ابوالاسود (جس کا شمار ان اہلِ لغت میں ہوتا ہے جن کا کہا ہوا حجت مانا جاتا ہے) کے مندرجہ ذیل دو شعر بھی ہمارے دعوے کی تصدیق کرتے ہیں:

''(خمر) شراب کو ایسے بے راہ رو لوگوں کے لیے رہنے دو (کہ وہی اسے پیتے پلاتے رہیں)

کیونکہ میں نے اس کے بھائی (دیگر مشروبات) کو اس کی ضرورت سے بے پروا کر دینے والا پایا ہے۔

اگر خمر ہو بہو اپنے بھائی جیسی نہیں یا بھائی ہو بہو خمر جیسا نہیں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا' بہر حال یہ اس کا بھائی ہے جسے اس کی ماں نے دودھ پلا کر اس کی پرورش کی ہے''

ابوالاسود دؤلی نے خمر کے علاوہ دیگر مشروبات کو خمر کا بھائی قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ دیگر مشروبات پر اگر خمر کا اطلاق ہوتا تو انہیں اس کا بھائی نہ قرار دیتا۔ پھر شاعر نے اپنے قول کی یہ کہہ کر تاکید کر دی کہ چاہے خمر اور دیگر مشروبات ہو بہو ایک جیسے نہیں ہیں تاہم دیگر مشروبات بہر صورت خمر کے بھائی ہیں جنہیں اس کی ماں نے دودھ پلا کر پالا ہے۔ اس طرح شاعر نے یہ بتا دیا کہ خمر علیحدہ اور دیگر مشروبات علیحدہ چیز ہیں۔''

مزید لکھتے ہیں:

ثبت بما ذکرنا من الاخبار عن رسول اللّٰہ ﷺ وعن الصحابة واھل اللغة ان اسم الخمر مخصوص بما وصفنا ومقصور علیه دون غیرہ۔ ویدل علی ذلك انا وجد نا بلوی اھل المدینة بشرب الانبذة المتخذة من التمروالبسر کانت اعم منھا بالخمر' وانما کانت بلواھم بالخمر خاصة قلیلة لقلتھا عندھم' فلما عرف الکل من الصحابة تحریم النیّئی المشتدّ واختلفوا فیما سواھا' وروی عن عظماء الصحابة مثل عمر وعبداللّٰہ وأبی ذر وغیرھم شرب النبیذ الشدید' وکذلك سائر التابعین ومن بعدھم من اخلافھم من الفقھاء من اھل العراق لا یعرفون تحریم ھذہ الاشربة ولا یسمونھا باسم الخمر' بل ینفونه عنھا دل ذلك علی معنین :احدھما ان اسم الخمر لا یقع علیھا ولا یتناولھا' لان الجمیع متفقون علی ذم شارب الخمر وان جمیعھا محرم محظور' والثانی :ان النبیذ غیر محرم' لانه لو کان محرما لعرفوا تحریمه کمعرفتھم بتحریم الخمر' اذ کانت الحاجة الی معرفة تحریمھا أَسَسُّ منھا الی معرفة تحریم الخمر لعموم بلواھم بھا دونھا' وما عمت البلوی من الاحکام فسبیل ورودہ نقل التواتر الموجب للعلم والعمل' وفی ذلك دلیل علی ان تحریم الخمر لم یعقل به تحریم ھذہ الاشربة ولا عقل الخمر اکالھا(٥٦)

''حضور ﷺ سے مروی روایات' اقوالِ صحابہ اور اہلِ لغت کی توضیحات سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ ''خمر'' کا اطلاق صرف اس مشروب پر ہوتا ہے جو ہم نے بیان کیا' کسی اور مشروب پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اس پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ خشک اور گدر کھجور سے بنی ہوئی مشروبات کا استعمال اہل مدینہ میں ''خمر'' کے استعمال سے زیادہ تھا' کیونکہ اہلِ مدینہ کے ہاں خمر کی قلت تھی اس لیے اس کا استعمال بھی بہت کم تھا۔ اب جبکہ تمام صحابہ انگور کے کچے جھاگ دار رس کی تحریم پر متفق تھے اور دوسرے مشروبات کے متعلق وہ مختلف الرائے تھے اور جلیل القدر صحابہ مثلاً حضرت عمرؓ حضرت عبداللہ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہم وغیرہم سے گاڑھے نبیذ کا استعمال منقول ہے' اسی طرح تمام تابعین اور ان کے جانشین فقہاء کرام اہلِ عراق بھی ان مشروبات کی حرمت کے قائل نہیں اور نہ ہی ان پر خمر کے لفظ کا اطلاق کرتے ہیں بلکہ اس کی نفی کرتے ہیں تو اس سے

دو باتیں معلوم ہوئیں: اوّل یہ کہ دیگر مشروبات پر لفظ خمر کا اطلاق نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ اس کے ذیل میں آتی ہیں' اس لیے کہ تمام لوگ شراب پینے والے کی مذمّت پر متفق ہیں اور شراب ممنوع اور حرام ہے۔ دوم یہ کہ نبیذ حرام نہیں' کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو سب لوگ اس کی حرمت سے اسی طرح واقف ہوتے جس طرح وہ خمر کی حرمت سے واقف تھے۔ کیونکہ اہلِ مدینہ میں شراب (خمر) کے مقابلے میں دوسری مشروبات کا رواج زیادہ تھا' لہٰذا انہیں خمر کی حرمت کے مقابلے میں دوسرے مشروبات کی حرمت سے باخبر ہونے کی ضرورت زیادہ تھی۔ اور قاعدہ ہے کہ عموم بلویٰ کے ذیل میں آنے والے احکام کے ثبوت کی ایک ہی صورت ہوتی ہے کہ تواتر کے ساتھ وہ منقول ہوں' تاکہ اس تواتر کی وجہ سے علم بھی حاصل ہو اور عمل بھی واجب ہو جائے' اس بنا پر یہ اس بات کی دلیل ہے کہ لوگوں نے تحریم خمر کے حکم سے ان مشروبات کی حرمت نہیں سمجھی اور نہ ہی ان مشروبات کو خمر کا نام دیا گیا۔''

خمر اور دیگر مشروبات کا فرق واضح کرتے ہوئے وہ مزید لکھتے ہیں:

''اُمّتِ مُسلمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خمر کو حلال سمجھنے والا کافر ہے جبکہ دیگر مشروبات کو حلال سمجھنے والے پر فسق کا دھبہ بھی نہیں لگ سکتا چہ جائیکہ اس کو کافر کہا جائے۔ یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ مشروبات حقیقت میں خمر نہیں ہیں۔ نیز ان مشروبات سے بنا ہوا سرکہ خمر کا سرکہ نہیں کہلاتا بلکہ خمر کا سرکہ وہ ہوتا ہے جو انگور کے کچے اور تیز رس سے بنایا جاتا ہے جو جھاگ دار ہوتا ہے۔ ہمارے مذکورہ بالا بیان سے جب ان مشروبات پر لفظ خمر کے اطلاق کی نفی ہوگئی تو اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ حقیقت میں خمر ان مشروبات کے لیے اسم ہی نہیں ہے اور اگر کسی وجہ سے ان مشروبات کو خمر کا نام دیا بھی جاتا ہے تو وہ تشبیہ کی وجہ سے ہوتا ہے' جبکہ ان مشروبات میں سکر بھی پایا جائے' اس لیے ان مشروبات پر تحریم خمر کا اطلاق جائز نہیں ہوگا' کیونکہ ہم بیان کر آئے ہیں کہ حقیقی معنوں میں استعمال ہونے والے اسماء کے تحت اسماء مجاز کا دخول درست نہیں ہوتا۔''

اس بنا پر حضور ﷺ کے ارشاد ''اَلْخَمْرُ مِنْ خَمْسَةِ اَشْيَاء'' کو اس حال پر محمول کرنا چاہیے جس میں سکر (نشہ) پیدا ہو جائے۔ اسے خمر کا نام اس لیے دیا گیا کہ اس میں وہی عمل ہوا جو خمر کا ہے' یعنی نشہ پیدا کرنا اور بطور سزا حد کے اجرا کا مستحق ہونا۔ اگر دیگر مشروبات نشہ پیدا کریں تو اس حالت میں وہ خمر کہلانے کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ اس پر حضرت عمر ؓ کا یہ قول دلالت کرتا ہے کہ خمر وہ ہے جو عقل پر پردہ ڈال دے۔ نبیذ کی قلیل مقدار عقل پر پردہ نہیں ڈالتی' اس لیے کہ مَا خَامَرَ العَقل کا معنی ہے وہ شے جو عقل کو پوری طرح ڈھانپ لے اور یہ خاصیت ان مشروبات کی قلیل مقدار میں موجود نہیں بلکہ کثیر مقدار میں موجود ہوتی ہے۔ (۵۷) لہٰذا ان مشروبات کی قلیل مقدار جو مسکر نہ ہو حلال ہوگی۔ باقی رہیں وہ احادیث کہ جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ جس مشروب کی کثیر مقدار مسکر ہو اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے۔ (مَا اَسْكَرَ كَثِيْرُهٗ فَقَلِيْلُهٗ حَرَامٌ) تو اس کا جواب صاحب بذل المجهود دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

قلت: ان كان ما أسكر خمرا فقليله حرام لكونه خمرًا وهي نجسة العين' واما ما عدا الخمر فحرمة القليل مبنية على ان قليله داع الى الكثيرا واذا شرب للتلهي والمعصية(۵۸)

''میں کہتا ہوں نشہ آور مشروب اگر خمر ہے تو اس کی قلیل (اور کثیر دونوں) مقدار حرام ہیں' صرف اس مشروب کے خمر ہونے کی وجہ سے' کیونکہ وہ نجس العین ہے' اور اگر اس سے مراد خمر کے علاوہ دیگر مشروبات

ہیں تو ان کی قلیل مقدار (فی نفسہ حرام تو نہیں) لیکن چونکہ اس کی قلیل مقدار داعی الی المقدار الکثیر ہوتی ہے (اور مقدار کثیر مسکر ہونے کی وجہ سے حرام ہے' لہٰذا **ما یودی الی الحرام فھو حرام**) یا اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ مقدار قلیل کا پینا اگر لہو ولعب اور معصیت کی نیت سے ہو (خمر کے علاوہ دیگر مشروبات کی مقدار قلیل کا پینا اگر لہو ولعب اور معصیت کی نیت سے ہے تو بالاتفاق حرام ہے)۔''

(جاری ہے)

حواشی

(۲۲) صحیح مسلم' کتاب الاشربۃ' باب بیان ان کل مسکر خمر وان کل خمر حرام۔ صحیح مسلم اور دار قطنی نے ان ہی الفاظ میں یہ حدیث ابن عمرؓ سے نقل کی ہے۔ اور امام احمد' ابوداؤد' ترمذی اور نسائی نے ((**كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ**)) کے الفاظ سے نقل کی ہے۔ اسی مضمون کی حدیث انس بن مالک' عمر بن الخطاب' قرۃ بن ایاس' قیس بن سعد بن عبادہ انصاری' میمونہ اور ابوموسیٰ اشعری وغیرہ صحابہ ؓ سے بھی منقول ہے حتیٰ کہ اس حدیث کے ناقلین صحابہ کی تعداد سولہ تک پہنچتی ہے۔

(۲۳) فتح القدیر' ج٤' ص ۱۸۷۔ وبدائع الصنائع' ج٥' ص ۱۱۸۔ حاشیہ ابن عابدین' ج٣' ص ۱۸۱۔

(۲٤) بدائع الصنائع' ج٥' ص ۱۱۲۔

(۲٥) حاشیہ ابن عابدین' ج٣' ص ۳۲۲۔

(۲٦) بدائع الصنائع' ج٥' ص ۱۱۷۔

(۲۷) المغنی علی مختصر الخرقی' کتاب الاشربۃ' ج٨' ص ۲۱۱' دارالکتب۔

(۲۸) یہ روایت عقیلی نے حضرت علیؓ سے "حرمت الخمر بعینها والسکر من کل شراب" کے الفاظ سے نقل کی ہے۔ نسائی' بزار اور طبرانی نے ان الفاظ میں یہ روایت موقوفاً نقل کی ہے۔ ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء اور دار قطنی نے سنن دار قطنی میں بھی ابن عباسؓ سے موقوفاً نقل کی ہے۔ البتہ طبرانی نے بواسطہ ابن المسیبؒ مرفوعاً بھی نقل کی ہے۔ دار قطنی نے کہا ہے کہ اس حدیث کا موقوف علی ابن عباسؓ ہونا ہی صحیح ہے اور اس کی دلیل یہ دی ہے کہ ابن عباس ہی نے رسول اللہ ﷺ سے روایت بایں معنی بھی نقل کی ہے: ''کل مسکر حرام" نصب الرایۃ' ج٤' ص ۳۰٦ ومابعدھا ومجمع الزوائد' ج٥' ص ٥۳۔

(۲۹) الفقہ علی المذاهب الاربعہ' ج٥' ص ۱۳۔

(۳۰) صحیح مسلم' کتاب الاشربۃ۔

(۳۱) صحیح مسلم' کتاب الاشربۃ۔

(۳۲) صحیح البخاری' کتاب الاشربۃ' باب الخمر من العنب وغیرہ وکتاب التفسیر' باب قولہ ﴿**اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ**﴾۔ وسنن ابی داوٗد' کتاب الاشربۃ' باب تحریم الخمر۔ باب بیان کل مسکر خمر وان کل خمر حرام۔ وسنن الترمذی' ابواب الاشربۃ' باب ما جاء فی شارب الخمر وباب ما جاء کل مسکر حرام۔

(۳۳) سنن ابی داوٗد' کتاب الاشربۃ' باب الخمر مما ھی۔ وسنن الترمذی' ابواب الاشربۃ' باب ما جاء فی الحبوب التی یتخذ منها الخمر۔ وسنن ابن ماجہ' ابواب الاشربۃ' باب بما یکون منه الخمر۔

(٣٤) سنن ابی داؤد' کتاب الاشربۃ' باب الخمر مماھی۔ وسنن الترمذی' ابواب الاشربۃ' باب ما جاء ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام۔ وسنن ابن ماجہ' کتاب الاشربۃ' باب ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام۔ وسنن النسائی' عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ۔ ومسند احمد بن حنبل والدارقطنی۔

(٣٥) سنن ابی داؤد' کتاب الاشربۃ' باب ما جاء فی السکر۔ وسنن الترمذی' کتاب الاشربۃ' باب ما جاء ما اسکرہ کثیرہ فقلیلہ حرام۔

(٣٦) صحیح البخاری' کتاب الاشربۃ' باب الخمر من العسل۔ وصحیح مسلم' کتاب الاشربۃ' باب بیان ان کل مسکر خمر وان کل خمر حرام۔ وابوداؤد' کتاب الاشربۃ' باب ما جاء فی السکر۔ وسنن الترمذی' کتاب الاشربۃ' باب ما جاء کل مسکر حرام۔ وسنن النسائی' ابواب الاشربۃ' باب تحریم کل شراب اسکر۔

(٣٧) صحیح مسلم' کتاب الاشربۃ' باب بیان ان کل مسکر خمر۔ وسنن ابی داؤد' ابواب الاشربۃ' باب النھی عن المسکر ۔ وسنن النسائی' کتاب الاشربۃ تفسیر البتع والمزر۔

(٣٨) صحیح مسلم' کتاب الاشربۃ' باب بیان ان کل مسکر خمر۔ وسنن النسائی' کتاب الاشربۃ' باب ما اعد اللّٰہ عزوجل الشارب المسکر من الذل۔

(٣٩) صحیح البخاری' کتاب الاشربۃ' باب الخمر من العنب وغیرہ۔

(٤٠) ایضاً۔

(٤١) صحیح مسلم' کتاب الاشربۃ' باب تحریم الخمر' وبیان انھا تکون من عصیر العنب ومن التمر والبسر والزبیب وغیرھما مما یسکر۔

(٤٢) صحیح مسلم' حوالہ سابقہ۔

(٤٣) صحیح مسلم' حوالہ سابقہ۔

(٤٤) صحیح مسلم 'حوالہ سابقہ۔

(٤٥) صحیح البخاری' کتاب تفسیر القرآن' باب قولہ ﴿اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ﴾ ومتعدد دیگر مقامات۔ وصحیح مسلم' کتاب التفسیر' باب فی نزول تحریم الخمر۔

(٤٦) سنن ابی داؤد' کتاب الاشربۃ' باب ما جاء فی النھی عن المسکر۔

(٤٧) سنن ابی داؤد' کتاب الاشربۃ' باب ما جاء فی السکر۔

(٤٨) ھدایہ' کتاب الاشربۃ۔

(٤٩) الضعفاء الکبیر للعقیلی' ج٢' ص ٤٢٤۔ والمحلیٰ لابن حزم' ج٧' ص ٤٨٤۔

(٥٠) ایضاً' ج٧' ص ٤٨٢۔

(٥١) سنن النسائی' کتاب الاشربۃ' رقم الحدیث ٥٦٨٧۔

(٥٢) احکام القرآن' ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص' ج١' ص ٤٤١۔ سورۃ البقرۃ تفسیر آیت ٢١٩۔

(٥٣) صحیح البخاری' کتاب الاشربۃ' باب الخمر من العنب۔

(٥٤) فقہ السنۃ السید سابق' الجزء الثانی' ص ٢٥٥۔

(٥٥) احکام القرآن' ابوبکر الجصاص' ج١' ص ٤٤٦' تفسیر آیت ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ﴾ ۔

(٥٦) احکام القرآن للجصاص' تفسیر آیت ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ﴾ ج١' ص ٤٤٧۔

(٥٧) حوالہ سابقہ۔

(٥٨) بذل المجھود فی حل ابی داؤد' شیخ خلیل احمد انبیٹھوی' ج٥' ص ٣٣٢' کتاب الاشربۃ' باب ما جاء فی السکر۔

❁❁❁

THE EXISTENCE AND IDENTITY OF THE TRUE GOD

Proof by using Documented Arguments

Mudassir Rashid

ABSTRACT

Arguments to prove the existence of God have been well debated throughout the known human history. The famous ones include the Cosmological Argument and the Design Argument. These arguments, no doubt, have been considered as the strongest reasons to prove the existence of God. However, it is the Miracle Argument that has been less debated in this regard. Two of the main critics of this argument are David Hume and Baruch Spinoza. This paper refutes their criticism against the Miracle Argument and justifies that this argument is the one that can prove not just the identity of God but also can confirm the existence of God already proved through arguments such as Cosmological and Design arguments. Finally it uses this argument to identify the true God and the religion that existed throughout the human history and that exists today as well.

INTRODUCTION

The purpose of this paper is to eradicate all the confusions regarding existence of God, and prove rationally not only the existence but also the identity of the only true God Who ever existed, using well-known documented arguments. This paper has been organized as follows: first, the method to prove the existence of God using Cosmological and Design arguments has been illustrated, then the Miracle Argument has been explained and the refutations to the arguments made especially by David Hume and Baruch Spinoza against miracles have been presented. Finally, it has been proved that the Miracle Argument has always been used by the true God to justify His existence and to identify Himself, throughout the human history till today.

EXISTENCE OF GOD: THE COSMOLOGICAL ARGUMENT

In the annals of human history, there have been various arguments in support of the existence of God, given by theist theologians and philosophers. However, the Cosmological Argument and the Design Argument are considered as the most valid and easily understandable arguments.

The roots of Cosmological Argument are not known but it is a fact that this has been one of the most debated arguments throughout the known human history. Plato and Aristotle were also in favour of this argument. Similarly, Muslim philosopher Avicenna and famous theologian of Medieval Europe Thomas Aquinas are among the notable philosophers who argued in favour

of this argument. Through the Cosmological Argument, God's existence can be realized by considering the following facts [1]:

1. Every finite being has a cause
2. Nothing finite can cause itself
3. Causal chain cannot be of infinite length
4. These three facts thus prove that the first cause --- which is not the effect --- must exist

Another stylized version of this argument named as "Kalam Cosmological Argument" has been recently presented by William Lane Graig [2], the famous living American Philosopher and Theologian, in light of the Big Bang theory, which states that anything that didn't exist before certain time and then came into existence after that time is a creation (effect) and hence has a creator (cause) e.g. table, chair, computer etc. are all creations as they didn't exist before their manufacturing dates. Now, as we know that life on Earth comprising of all the living organisms --- plants and animals including humans --- also didn't exist before certain time, and came into existence after that time, hence, it is also a creation and must have a creator as well. We have also come to know recently that even the whole universe didn't exist before certain time and came into existence after the Big Bang; hence it is also a creation and must have a creator as well. These acts of creation, by an Invisible Hand, are also continuously happening all around us and can be witnessed: every time a seed is developed into a plant or a tree, every time a baby is born and every time a new star or a galaxy is formed etc. The above analysis, thus, is an evident proof that at least a Creator exists Who has created this universe, and everything that lies in it, from nothing, and He is the ONE Who is continuously creating these living and non-living entities and these acts of creations by this invisible Creator can be witnessed all around us.

CRITICISM AND REFUTATION

The criticism against this argument is that if every creation (effect) has a creator (cause) then the question remains: who is the creator of the God? Secondly, it is argued that this argument may prove the existence of the first cause but it doesn't prove the attributes --- such as Omnipotence, Omniscience --- of the Deity often being worshiped. It is also sometimes argued that the creations can be acts or events. The creations of buildings, roads, cars, bikes etc. are obviously acts as we can observe them being performed by their actors. But creation of plants, trees, animals etc. are events that just happen and do not require any actor. These criticisms against the Cosmological Argument can be refuted easily by considering the following points:

- The first argument can be easily refuted by asking a counter question that: if God has a creator then who is God's Creator's Creator? Or what

is the cause of the cause of the first cause? And then, such questions can continue for ever, but it can be realized that no matter how many subsequent creators are in the middle, there has to be a First Creator Who initiated this process, otherwise this universe including all the subsequent creators --- if they exist --- shouldn't exist, but because this universe exists, there must be a First Creator and He is the only ONE Who qualifies to be called a God. This is like if you have one end of a string in your hand, and there is no other end, then this string, itself, shouldn't exist, but as one end of the string exists, other end of that string must exist as well.

- Another argument in this regard is that the creation is a cyclic process like water cycle or food cycle, and hence, there is no start and end of this process. The refutation of this criticism is that if this is a cyclic process, then why this universe is not creating another universe? Why a plant, a tree, a mountain, a star or a galaxy etc. are not creating other entities? Another important point to note is that for any being to create something, He has to be a self-conscious being, and as humans are the only visible self-conscious beings, why can't they create another self-conscious being? Hence, this process of creation is not a cyclic process but is a linear process, and for a linear process to exist, a start of that process initiated by a self-conscious Originator must exist. Even if we do consider that it is a cyclic process, the process must start from somewhere before forming the first cycle, otherwise this cycle, itself, shouldn't exist. Hence, either ways, for any process to exist, there has to be a start, otherwise that process shouldn't exist, which proves that the process of creation of universe must have a start, initiated by a self-conscious Originator Who initiated this process, and hence is the only ONE Who qualifies to be called a God, otherwise this universe shouldn't exist.
- Regarding the second argument, it is true that the Cosmological Argument cannot prove all the attributes of God but it can certainly prove the most important attribute: the Creator. The rest of the attributes can be proved using the Miracle Argument as will be explained later.
- The third argument can be refuted by considering the fact that all the creations should either be acts or events, but if someone claims that some creations are events and others are acts, even then it proves the existence of a Deciding Being, Who is deciding between such acts and events of creations, as obviously, we are not (e.g. if we want to grow or give birth to a table, a chair or a car etc. and similarly we cannot create a plant or an animal). This Deciding Being, hence, is the God.

CONCLUSION

For any kind of process --- linear or cyclic --- to exist, there has to be a start otherwise that process shouldn't exist. Since, this universe came into existence after a particular time i.e. the moment of Big Bang, and is also

existing now, the process of creation of universe has a start as well, which is initiated by a self-conscious Originator, and He is the only ONE Who qualifies to be called a God, otherwise this universe shouldn't exist.

EXISTENCE OF GOD: THE DESIGN ARGUMENT

The Design Argument, like Cosmological Argument, is also one of the most discussed arguments. The proponents of this argument include famous philosophers and theologians such as Socrates, Plato, Aristotle, Cicero, Marcus Mencius Felix, Augustine of Hippo, Averroes and Aquinas etc. This argument can be understood by considering the following facts [3]:

1. Nature exhibits complexity, order, adaptation, purpose and/or beauty.
2. The exhibited feature(s) cannot be explained by random or accidental processes, but only as a product of mind.
3. Therefore, there exists a mind that has produced or is producing nature.
4. A mind that produces nature is a definition of "God".
5. Therefore, God exists.

As can be easily realized, this is a very strong argument to prove the existence of God. The presence of fine tuning, complex design and perfect harmony in different systems of this universe, this planet Earth, human body and its highly sophisticated vital organs etc., prove that there has to be someone who is constantly monitoring and controlling these complex systems. This argument can be easily appreciated by considering the movement of satellites around the Globe. These satellites are sent into Geo Stationary Orbit through the launching platforms from earth. When these satellites enter into the Geo, a control center constantly monitors it throughout its lifecycle at the ground station otherwise it might collide with other satellites and destroy all other satellites in the orbit. Now, since, all the conditions in the space are the same including the laws of nature for planets, galaxies, stars etc. besides these satellites, then how can the existence of a controlling self-conscience being be denied who is constantly controlling and monitoring the movement of these huge elements of space, when comparably the smaller man-made satellites require monitoring and control throughout their life-time to remain in their prescribed orbits? This argument thus provides an evident proof of the existence of a self-conscious being in control of all the complex systems of this universe.

CRITICISM AND REFUTATION

The criticism against this argument is that in the universe, besides harmony and order in the complex systems, there exist certain irregularities --- such as the collisions of stars and galaxies in space, earthquakes, floods and other natural calamities on Earth --- that prove that the universe is not that perfectly designed. Since God, by definition, has to be a perfect being,

therefore Design Argument doesn't prove the existence of God. Another point, like the one against the Cosmological Argument, is that even though this argument proves the existence of an intelligent designer, it doesn't prove the existence of the Omnipotent, the Omniscient, and All-Originating God. The refutation of these arguments is as follows:

1. The first argument doesn't address the main premises of the argument but, in fact, poses another argument besides the argument to divert the attention from the main point. The presence of complex design, order and harmony in various systems of this universe is an argument that, no doubt, proves the existence of a self-conscious controlling being. On the other hand, presence of certain irregularities doesn't negate the argument but in fact being the exceptions which prove the rule. How can we realize order if there is no disorder, how can we realize beauty if there is no ugliness, how can we realize regularity if there is no irregularity? In fact the One who can hold the order can destroy it whenever He likes. It can also be realized that even the disorder being observed in the universe is controlled as it doesn't affect and destroy the entire system with it. The presence of irregularities besides the order and harmony in various systems of this universe thus further adds to the authority of God whose existence has already been proved.

2. The second argument mainly posed by famous philosophers such as Spinoza and Hume is a valid argument and will be addressed later, as the Design Argument despite proving the existence of a few attributes of God, cannot prove the existence of all the attributes of God we know. However, Hume's argument that it doesn't prove whether there is one God or many gods, can be refuted as the harmony and order in the universe itself proves the existence of a single God. If there were multiple gods there would have been much disorder instead of harmony in the universe due to disputes among these gods.

CONCLUSION

The presence of harmony, order, beauty and purpose in the various systems and objects of this universe prove the existence of a controlling all-encompassing, all-sustaining, self-conscious being. The presence of certain irregularities, on the other hand, doesn't negate this argument but, in fact, being an exception, proves the rule and thus further affirms the argument.

THE EXISTENCE AND IDENTITY OF GOD: THE MIRACLE ARGUMENT

Though the Cosmological Argument and the Design Argument prove that at least a God exists Who has created everything from nothing, and He is the one Who is sustaining and controlling creations whether these are beings, objects or systems but still it does not clarify the whole truth, because even after realizing the fact that there exists a God --- the Creator, the Controller and the Sustainer --- we are still unable to find out:

- Whether there is only one God or many gods?
- WHO is the true God: Muslims' Allah, Christians' Jehovah, Jews' Yahweh or gods and goddesses of the Polytheists?
- What are His true attributes?
- Why He has created this universe and everything that lies in it?
- What does He require from us?

Or in simple words: Which religion is the true religion?

Now, anyone can claim that he is the representative of the true God, and can then create a new religion based on his own ideas, and we will never be able to tell whose claim is true. So, for us to believe in the true God, besides proving His existence, He has to be identified; otherwise we will never be able to find the answers to above questions. Regarding the existence as well as the identity of God, according to religious history, apart from other reasons that might have been provided by the True God, there always remained one common and a well-recognized reason, and that was the presentation of a miracle along with an inimitable open challenge by God through His prophets in front of all the humanity to prove it wrong, which used to confirm His existence and authenticate His prophets' identities and His messages. Now in order to understand how this miracle provided the reason to our ancestors, it is important to know the meaning of the word miracle, which can be defined as:

> "An act that cannot be explained by the known laws of nature or, in other words, by any scientific or logical reasons''

Or

> "A miracle is a transgression of a law of nature by a particular volition of the Deity"

Or in simple words:

> "A miracle is an act that cannot be performed by any other being except God".

Since a miracle is an act beyond human capacity, it is obvious that some other being more powerful than humans has done it, and if that Being claims that there is no God but Him, He has no beginning in time and is eternal (i.e. time itself is His creation), He is the one Who showed all such miracles in the past, He is the Creator of the universe and everything that lies within including humans and He is the one Who alone is maintaining all this, and then remains inimitable after openly challenging on His miracle, He can be none other but the True God --- the Omnipotent, the Omniscient and the Originator of the universe --- as if He is any other creature more powerful than humans e.g. an angel or a ghost, or any other god but the True God (or God's Creator according to Atheist Argument or gods in case of Polytheist beliefs), the True God (or gods) will meet His challenge and show His/Their

signs to prove that He/They is the True God. A possible confusion in this regard is that the natural disasters or tragedies such as earthquakes, floods, storms, plagues, famines and even rare incidents, in which a person survives, somehow from a severe accident, can also be claimed by someone as miracles of God. So how are the God's miracles, given to His prophets by Him, are different from such miracles? The main difference, however, can be understood easily, as the miracles of God that prophets show, are given in their control and these can be shown by them on demand with an open challenge to every one as an authentication of their God and them being His prophets, whereas natural disasters or tragedies just occur randomly and cannot be controlled or repeated by any person (except God) if demanded. Hence in this way, the observation of God's miracle with an inimitable open challenge in front of humanity, given in control of His prophets by Him, can provide a strong reason for us to believe in Him and His prophets and this alongwith the Cosmological Argument and the Design Argument explained above can prove without doubt the true God's existence as well as His true identity.

CRITICISM AND REFUTATION

Since, the existence of God has already been proved by the Cosmological and the Design Arguments explained above, the presence of a miracle can unanimously prove the identity of the true God. David Hume and Baruch Spinoza have been and are still considered as the main critics of the Miracle Argument. Their criticism has been illustrated in detail below:

- **Hume's Argument [4]:** Hume argued that the main problem with the miracles is the reports of the miracles itself, as these are not reliable enough to be considered as true. He further argues that it is more likely to accept that the reporters of the miracles have been wronged than to accept their claims, as evidences that nullify their claims are more than the evidences that support such claims. This argument can be realized by considering the fact that all such incidents regarding miracles happened at least 1500-3000 years ago, when there was no well-established system available to save the records of the history on a piece of paper and the only means of preserving history was by word of mouth, which may lead to several uncertainties making it a very confusing matter. Another important point is that, as all such incidents happened well back in the history, they cannot be used as strong sources for evidence, because history is basically an account of a historian. A historian gathers information from a variety of sources about an incident (e.g. several versions of the incident as narrated by the people, archaeological findings etc.) and then based on that information writes --- which best suits his understanding --- about that incident. As we know, it is not possible for any person to interpret accurately all the details about a particular incident in a particular age, so a historical account might give a general idea about an incident, it is not 100% evident truth in every

aspect. In addition to that, history has also been written by the victors of the time, and as we know, in the earlier eras, victors used to control churches, courts, education, media etc. They obviously had authority to promote their version of events. Hence there is a possibility that a fake story was created and then propagated later on as a historical fact, or a historical fact was forged and then that false version of the history was propagated onwards as a historical fact. Another important point is that most of these incidents, however, are not even quoted by historians but are quoted by religious devotees, which make this information even lesser authentic due to their biased beliefs.

- **Spinoza's Argument [5]:** Spinoza argued that if the existence of miracles, being considered as transgression of the laws of nature, are accepted then it will lead to Atheism as God is the one who is known through these laws of nature. If it is accepted that the laws of nature have been contravened, it will negate the very basis on which the existence of God is proved. Instead, he argued that the miracles are not the transgression of the laws of nature but in fact are the natural events which are just beyond human comprehension.
- Third argument against the Miracle Argument is that these miraculous acts do not necessarily prove the existence of God as these may be from some lesser divine being, hence they cannot prove the presence of an omnipotent, omniscient, originator and ruler of the universe.
- Religious scholars of different religions have also argued against using solely miracles to authenticate the existence and identity of God. One of the reasons is the difficulty in categorizing the reason from Miracle Argument among the known types of reasoning i.e. deductive, inductive, abdicative, analogical etc. that are being accepted as valid type of reasoning in modern literature. Another reason is the difficulty in differentiating the miracles from the acts of magic. In this regard, notable Muslim scholars such as Averroes in his work "*Kashf-ul-Adla*", Al-Ghazzali in his work "*Al-Munqaz Min Adhalaal*", Arrazi in his work "*Mutalib-e-Aaliya*" and Maulana Rumi in his work "*Masnavi*" have analyzed this aspect of miracles in detail [6]. They have argued against using miracles alone to prove the prophethood (which indirectly proves the identity of God). According to these scholars the undisputed, trustworthy and honest characters of the prophets are the ultimate proofs of their prophethood, while miracles can just affirm the fact that has already been established.

The refutation of above criticism is as follows:

- The arguments made by Hume and Spinoza seem to be a valid criticism against the method of using miracles as proof of existence and identity of God, if it is established that miracles don't exist today. Their arguments thus can only be refuted if we have a miracle present today as well,

otherwise it is easy to conclude that there had never been such miracles and such accounts are nothing but myths created by the people of the old age.

- The third point, however, has already been refuted through the Cosmological and the Design Arguments explained above, and hence, these arguments alongwith the Miracle Argument, solve this problem easily. As if such acts have been performed by some lesser divine beings then why other beings like them are not showing such miracles to claim their sovereignties, as every one of them should be quite keen to do so. Hence, even a miraculous act alongwith an inimitable open challenge and a claim of divinity, can prove the existence and identity of the True God, and this alongwith the Cosmological and the Design Arguments can leave no room for doubt in this regard.

- The fourth argument is not really against the Miracle Argument; it just argues that miracles alone cannot prove the identity of God and His prophets. These problems can be solved by considering the "inimitable open challenge" part of the miracle which, in fact, actually proves that a miracle has occurred. This also differentiates between a miracle and an act of magic. A magician, no matter how good he is, never challenges on his act of magic as he knows that there are other magicians who can meet his challenge and prove him wrong, whereas miracles come with open challenge and remain inimitable. There might be some concern that till the time magician's challenge is imitated and his falsehood is confirmed, he might divert the people astray by claiming to be a prophet of God. The solution to this problem has been agreed upon by the religious scholars, that the "purpose" of such a miraculous act can identify its status as a miracle or an act of magic. If the purpose is noble, the act will be considered as a miracle otherwise it will be considered as an act of magic. However, in my humble opinion, this problem can also be solved by the "inimitable challenge" part of the miracle as if it is established that a miracle has remained inimitable after being challenged by any new claimer, he will have to first imitate the miracle before presenting his own miracle otherwise he can straight away be rejected without waiting till the time it will be established. Furthermore, as is explained by a famous Muslim philosopher, it is not necessary that the reason has to remain within types of reasoning explained in Aristotelian logic. There can be other types of reasoning as well. The Miracle Argument, according to Ash'ari Islamic School of Thought, may not fall in the categories of logical reasoning but it may be considered as a psychological reason [7]. Despite this, even if deductive reasoning is applied on the following facts, one can easily deduce the existence and identity of God:

- A miracle (an act beyond human capacity) is shown with an open challenge alongwith the claim that this is from the true God, there is no God but Him, He is eternal and ever-lasting, He is the one Who showed all such miracles in the past, He is the Creator of the universe and everything that lies in it including humans and He is the one Who alone is maintaining all this.
- His challenge remains inimitable.
- Thus these facts, if established, can prove the existence and the identity of the True God, as if there are any other creature more powerful than humans or any other God but the True God (or God's Creator according to Atheist argument or gods in case of Polytheist beliefs), the true God (or gods) would meet this challenge, by imitating the miracle**,** and then would show His/Their miracles to the humanity to justify their claim.

CONCLUSION

Since the existence of God has already been proved through the Cosmological and the Design Arguments, the presence of a miracle with an inimitable open challenge and claim of divinity can eradicate all the confusions regarding God's identity, and hence these three arguments can prove without doubt both the existence and the identity of the True God.

WHO IS THE ONE AND ONLY TRUE GOD?

Now we just have to find a miracle with an inimitable open challenge and a claim of divinity, to identify the True God. So, is there any miracle with an inimitable open challenge present today? The answer is yes, and that is **the Quran,** which is the only true miracle existing today and in fact is miracle of miracles, and has been presented in front of us by the true God --- Allah --- and His open challenge to us is as follows:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ۲۳ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۲۴

"And if you are in doubt as to that which We have revealed to Our servant, then produce a chapter like it and call on your witnesses besides Allah if you are truthful. But if you do (it) not and never shall you do (it), then be on your guard against the Fire of which men and stones are the fuel; it is prepared for the unbelievers." [Al-Baqarah 2:23-24]

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۳۸

"Or do they say: He has forged it? Say: Then bring a chapter like this and invite whom you can besides Allah, if you are truthful." [Yunus 10:38]

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۱۳

"Or, do they say: He has forged it. Say: Then bring ten forged chapters like it and call upon whom you can besides Allah, if you are truthful." [Hood 11:13]

قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ۝٨٨

"Say: If men and ghosts (jinn) should combine together to bring the like of this Quran, they could not bring the like of it, though some of them were helpers of others." [Al-Israa 17:88]

It is important to note that the True God --- **Allah** --- is not asking us to bring a surah of 100 or 1000 ayat, the three shortest surahs in the Quran comprise of just three ayat each --- 103, 108 and 110 --- of which the shortest surah i.e. 108 consists of just ten words. So, the challenge is to bring at least a single surah consisting of just three ayat, like one of these three surahs. Though bringing three ayat doesn't seem difficult at all, yet this challenge, at the time of Muhammad ﷺ, remained inimitable in a society where the people were at the pinnacle of their eloquence in the classic Arabic, the language of the Quran [8]. Even after that, the challenge has been out there for more than 1400 years and is still inimitable. There must have been innumerable Arabic experts living in the world in all these years, why couldn't anyone of them meet this challenge and invalidate **Allah**, so that the rest of the humans could realize that He is not the True Creator? There must be thousands of Arabists living in the world today, who would have spent their whole lives in this field, why are they not doing it now? (The fact, that the Quranic challenge has remained inimitable through out the history, is also confirmed by non-Muslim orientalists, and readers are recommended to check links [9,10] for further details)

In addition to that, several scientific miracles of the Quran have been discovered recently and are illustrated by many Muslim scientists especially by Harun Yahya [11]. Now, keeping in mind the level of scientific knowledge 1400 years ago, and realizing the fact that the scientific facts mentioned in the Quran have been discovered during the past 10 to 100 years with the help of 20th century sophisticated equipment, it can be easily realized that the probability of rightly guessing even a single scientific fact at that time was very low. Hence, even a single scientific miracle of the Quran to some extent can prove the truth individually --- as is obvious from the scientists' statements at link [11] --- whereas, collectively considering all the scientific miracles of the Quran leaves no room for doubt that this Quran is most surely the word of True God, as it would be really illogical and unscientific to even think that a human being of the 7th century could guess --- on his own or based on the infant scientific knowledge of that time --- at least more than hundred scientific facts, related to not just one but several fields of science, without giving even a single statement that goes against the modern established science. Now, the challenge for the humanity is to point out any

science of the present day to add some confusion to this belief, which of course no one has done till yet.

CONCLUSION

After understanding all the miraculous aspects of the Quran illustrated above, the truth can be easily realized that no matter how genius and intelligent a human being is, as opposed to an illiterate Arab man of 7th century Muhammad ﷺ, it is beyond human capacity to perform all such miraculous acts --- guessing accurately at least more than hundred scientific facts related to several fields of science 1400 years ago, which are only being discovered recently --- and challenging the humanity on just three ayat and yet remain inimitable for all these centuries till today. Finally regarding the question as to who will judge that the Quranic challenge has been met or not, the answer is itself given in the very ayah that is challenging the humanity: "C**all on your witnesses besides Allah if you are truthful"**. Now, first someone has to declare that he has composed a surah like that of the Quran, which of course no one has done till yet, and then the experts in Arabic language & literature will testify that the challenge has been met justifying the claim, which again no one has done till yet. This also clarifies that even the masterpiece literary works existing today cannot be compared with the miraculous Quran as their authors never dared to openly accept the challenge and so is the case with their patrons.

Now, since it is established that no one has been able to do it, so obviously some other being more powerful than us has done it, and that Being --- **Allah ---** has claimed that there is no God but Him, He was the first and no one was before Him and He will be the last and no one will be after Him, He is the One who is from ever and will remain for ever, He is the Only Creator of the universe and every thing that lies within including humans and He is the one Who alone is governing all this:

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝٣

"He is the First and the Last, the Evident and the Immanent: and He has full knowledge of all things." [Al-Hadeed 57:3]

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝١ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝٢ لَمْ يَلِدْ ۚ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝٣ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝٤

"Say: He, Allah, is One. Allah is He on Whom all depend. He begets not, nor is He begotten. And none is like Him." [Al-Ikhlas 112:1-4]

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ
عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـــُٔـوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝٢٥٥

whatever is in the heavens and whatever is in the earth is His; who is he that can intercede with Him but by His permission? He knows what is before them and what is behind them, and they cannot comprehend anything out of His knowledge except what He pleases, His knowledge extends over the heavens and the earth, and the preservation of them both tires Him not, and He is the Most High, the Great." [Al-Baqarah 2:255]

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ا مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ا ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ا اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۰۰۳

"Verily your Lord is Allah, who created the heavens and the earth in six days, and is firmly established on the throne (of authority), regulating and governing all things. No intercessor (can plead with Him) except after His leave (hath been obtained). This is Allah your Lord; Him therefore serve ye: will ye not receive admonition?" [Yunus 10:3]

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۰۰۱۲ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۰۰۱۳ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ا فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۰۰۱۴ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۰۰۱۵

"And certainly We created man of an extract of clay, Then We made him a small seed in a firm resting-place, Then We made the seed (a leach like) clot, then We made the (leach like) clot a lump of flesh, then We made (in) the lump of flesh bones, then We clothed the bones with flesh, then We caused it to grow into another creation, so blessed be Allah, the best of the creators." [Al-Mu'minoon 23:12-15]

He has also claimed that He is the ONE who showed all the miracles in the past through His prophets --- Jesus, Moses etc. --- and hence anyone Who claims any other god but Him, is doing so out of his own ignorance and has no proof of this:

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ا فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ا وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ا وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ا فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ا وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۰۰۲۱۳

"Mankind was one single nation, and Allah sent messengers with glad tidings and warnings; and with them He sent the Book in truth, to judge between people in matters wherein they differed; but the People of the Book, after the clear signs (miracles) came to them, did not differ among themselves, except through selfish contumacy. Allah by His Grace guided the believers to the Truth, concerning that wherein they differed. For Allah guides whom He will to a path that is straight." [Al-Baqarah 2:213]

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ا وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ۰۰۱۷

"And whoever invokes with Allah another god, he has no proof of this, his reckoning is only with his Lord; surely the unbelievers shall not be successful." [Al-Mu'minoon 23:17]

Hence, **Allah** can be none other but the true God. If He had been any other creature more powerful than humans or any other god but the True God (or God's Creator according to Atheist argument or gods in case of Polytheist beliefs), the True God (or gods) would have met Allah's challenge long ago, by imitating the Quran --- the Miracle of **Allah ---** to prove Him wrong and then would have shown His/Their true signs to the humanity, which of course never happened. Hence, this inquiry is alone enough to prove without doubt that **Allah** has always been and still is the one and only True God.

REFERENCES

1. "Cosmological Argument for the Existence of God", in Macmillan Encyclopedia of Philosophy (1967), Vol. 2, p232 ff
2. William Lane Graig. The Kalam Cosmological Argument (1979) ISBN 0-06-491308-2
3. Ratzsch, Del, [[http://plato.stanford.edu/archives/win2009/entries/teleological-arguments/ "Teleological Arguments for God's Existence"}, The Stanford Encyclopedia of Philosophy (Winter 2009 Edition), Edward N. Zalta (ed.)
4. Hume, "An Enquiry concerning Human Understanding – Section X", 1748
5. Baruch Spinoza, "Theologico-Political Treatise or Tractatus Theologico-Politicus", 1670
6. Allama Shibli, Syed Sulaiman Nadvi, "Seerat-un-Nabi", Vol. III
7. Safi-ur-Rehman Al-Mubarak Puri, "Sealed Nectar"
8. http://www.islamic-awareness.org/Quran/Miracle/ijaz.html#
9. http://www.theinimitablequran.com/
10. http://www.miraclesofthequran.com/
11. http://www.islamic-awareness.org/Quran/Science/scientists.html

MESSAGE OF THE QUR'AN

Translation and Brief Elucidation

By

Dr. Israr Ahmad

Al-Baqarah

(Ayaat 243-259)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٢٤٣﴾

(243) *Have you not seen those who left their homes, being thousands in number, for fear of death? So Allah said to them: "Die"! Then He made them alive. No doubt, Allah is definitely bountiful to the mankind but most of the people do not pay thanks.*

There is a difference of opinion between scholars as to whom this *ayah* refers to. According to *Ibn Kathir*, they were a group of people during the time of the *Children of Israel*, who fled their homes out of the fear of plague, thinking that their flight would save them from death. But death caught them up under Allah's command and they all died in a brief time. Later on, they were raised again to life when their Prophet Ezekiel (AS) supplicated for them. [64] On the other hand, *Syed Abul A'la Mawdudi* in his exegesis of the *Qur'an*, gives an allegorical explanation for this *ayah*. According to him, this *ayah* refers to the exodus of the *Children of Israel* when they left Egypt in large numbers. Then Allah (SWT) commanded Prophet *Musa* (AS) to order them to fight and get their holy land back, but they showed cowardice and refused to fight. Therefore, Allah (SWT), as a punishment, let them wander in the desert for forty years, till one full generation of Israelites died and was replaced by a new generation brought up in the tough conditions of the desert life. Then Allah (SWT) gave them victory over their enemies and they conquered Philistine. Their former condition is described as death in this *ayah* and their later development as the restoration of life. [65]

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٤٤﴾

(244) *And fight in the way of Allah and keep in mind that Allah is All-Hearing, All Knowing.*

In this *ayah*, the believers are commanded to fight for the cause of Allah (SWT) and not abandon Jihad.

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ؕ وَاللّٰهُ یَقْبِضُ وَیَبْصُۜطُ ۪ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾

(245) Who will offer Allah a goodly loan, thereupon Allah will increase it for him manifold. And Allah reduces and enhances and unto Him you will be returned.

Goodly Loan signifies whatever one gives selflessly and merely for the pleasure of Allah (SWT). This *ayah* encourages Muslims to spend in the cause of Allah (SWT), whether it is for the propagation of Allah's *Deen*, for Islamic education or for *Jihad*. And Allah (SWT) promises those who give a goodly loan to Him by spending in His way to repay them many times over, provided that their intention was merely to seek the pleasure of Allah (SWT). *"And Allah reduces and enhances"* i.e. Allah (SWT) is the Sustainer and to restrict or increase the means of subsistence is exclusively in His hands.

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ
هَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَمَا لَنَاۤ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ
دِیَارِنَا وَاَبْنَآىِٕنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۴۶﴾

(246) Have you not considered the chiefs of the Children of Israel after Moses, when they said to a prophet of theirs: "Appoint for us a king so that we may fight in the cause of Allah". The prophet asked: "Is it possible that if fighting is made incumbent upon you, you refuse to fight"? They replied: "How could we refuse to fight when we have been expelled from our homes along with our children?" But when fighting was made incumbent upon them, they turned their backs except a few of them. And Allah is Acquainted with the unjust.

After leaving Egypt, the Israelites remained on the straight path for a while, but soon afterwards, they started making innovations in their religion and neglecting the law and even took to idolatry. Allah (SWT) sent Prophets to them one after the other, but they rejected them. Then a time came when there was no Prophet between them and because of their malevolence and disobedience, Allah (SWT) made their enemies overwhelm them. Their enemies took many of them as captives and gained possession of a vast area including Egypt and Palestine. Then they prayed to Allah (SWT) to send a Prophet amongst them. At that, Allah (SWT) appointed Samuel (AS) to be their Prophet. The Israelites then asked Samuel (AS) to appoint a king from them so that they could wage *Jihad* against their enemies and take back their land. But when Allah (SWT) appointed a King for them, they refused to fight and only a few of them kept their promise. This particular incident has been mentioned here to forewarn the Muslims in *Madinah* who were also demanding to be allowed to fight the *Quraysh* of *Makkah*, so as to return to their homeland. Allah (SWT) warns them not to be like the Israelites who broke their promise and abandoned *Jihad.*

وَقَالَ لَهُمْ نَبِیُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْۤا اَنّٰی یَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَیْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ
وَلَمْ یُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَیْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ یُؤْتِیْ مُلْكَهٗ مَنْ
یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۴۷﴾

(247) *And their Prophet said to them: "Indeed Allah has appointed for you Saul* [66] *as a king". They said: "How could he have kingship over us whereas we are more eligible for the kingship than him besides he has not been given abundance in wealth?" The Prophet said: "No doubt Allah has chosen him over you and increased him abundantly in the knowledge and stature. And Allah grants His kingdom to whomsoever He wills. And Allah is All-Embracing, All-Knowing.*

As mentioned in the previous *ayah*, the Israelites asked Samuel (AS) to supplicate his Lord to appoint a king for them so that they could fight under his command. Allah (SWT) appointed *Taalut* (Saul), to whom He had given knowledge and physical strength, to be their king. But the *Children of Israel* refused to accept *Taalut* as their leader as he was not among the descendents of the house of the kings and belonged to a poor family. Allah (SWT) told them that although *Taalut* was not rich, He had chosen him because He had given him more knowledge, strength and patience than others. And Allah (SWT) knows who deserves to be the king and who does not, on account of His infinite Knowledge and Wisdom.

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ
هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٢٤٨﴾

(248) *Moreover their Prophet said to them: "Verily the sign of his kingship is that there will come to you the Ark, wherein lies the tranquility from your Lord and relics which were left by the family of Moses and the family of Aaron, carried by the angels". In fact therein would be definitely a sign for you provided that you are believers.*

The *Taabut* (Ark of the Covenant), which contained remnants of the Tablets given to *Musa* (AS), his staff and the original copy of *Torah* written under his guidance, was considered very sacred by the Israelites. It was so Divinely blessed that whenever it was carried by the Israelites into the battlefield, Allah (SWT) rescued them from their enemies and thus gave them tranquility and peace of mind. When their enemies attacked them, they also took the *Taabut* with them along with the original *Torah*. Afterwards, Prophet Samuel (AS) told the Israelites that Allah (SWT) would give the *Taabut* back to them as a sign for the appointment of Saul as their king. It is said that Allah (SWT) commanded the angels to carry the *Taabut* to the Israelites.

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي
إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ ۚ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ ۚ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ
لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ ۚ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُو اللَّهِ كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ
اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٢٤٩﴾

(249) *So when Taalut marched forth with the troops, he warned: "Verily Allah is going to test you by a river, so whoever drinks thereof is not of me. But whoever does not drink it to quench his thirst except the one who takes a*

handful with his hand, indeed is of me. Eventually they drank thereof except a few of them. So when he crossed it alongwith those who believed with him, they said: "We have no strength this day to face Goliath and his troops. Those who were sure that they are to meet Allah said: "How many a small army has overcome a large army by Allah's will. And Allah is with the steadfast.

The appointed king *Taalut* put the Israelites to a test as they crossed the river [67] so as to differentiate between those who were the real followers of the path of submission and truth and those who were not. But the Israelites defied the commandment and quenched their thirst freely and only a few of them were found to be faithful. We should also mention here the virtue of the Companions (RAA) of the Prophet (SAW) when they were put to a similar test by Allah (SWT) before the battle of *Badr*. They were given two alternatives at that time as Allah (SWT) says: *"Remember, Allah (SWT) promised you victory over one of the two enemy parties and you wished for the one which was unarmed but Allah intended to prove the truth to be true according to His words and to cut off the roots of the unbelievers."* [68] The first option was to attack the *Quraysh* caravan led by *Abu Sufyan*, carrying great wealth amounting to 50 thousand gold *Dinars* and guarded by only forty armed men. This was the safest and the most productive option from a worldly point of view. The other alternative was to fight the well-equipped and well-armed *Quraysh* army of 1000 men coming from *Makkah*. Unlike the Israelites, the Companions (RAA) showed the spirit of sacrifice and fidelity at this critical juncture and asked Allah's Messenger (SAW) to lead them to the battlefield, unlike most companions of *Taalut*, who were struck with fear when they saw the size and the strength of the army of Goliath. However, there were some faithful companions of *Taalut* as well, who were determined to face all odds and fight the enemy because they had the faith that Allah (SWT) would help them and strengthen them against their enemy. Indeed He is with the steadfast.

وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِينَ ۝٢٥٠

(250) *And when they advanced to face Goliath and his warriors, they prayed: "Our Lord! "Pour down upon us perseverance, make our steps firm and grant us victory over the disbelieving folk".*

Amongst the army of *Taalut*, those who had faith in Allah (SWT) prayed to Him to make them steadfast and not make them run away from the battlefield.

فَهَزَمُوهُمْ بِإِذْنِ اللّٰهِ ۙ وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَآءُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ
بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝٢٥١

(251) *So they routed them by Allah's will and Dawood killed Goliath; and Allah gave him kingdom and wisdom and taught him whatever He willed. And were it not for Allah's repelling some people by the others, the earth would have been definitely corrupted; but Allah is full of bounty to all the worlds.*

When the two armies faced each other, Goliath challenged any soldier from the army of King *Taalut* to single combat. Hearing this, the

Israelites were dismayed and daunted. King *Taalut* offered the hand of his daughter in marriage but still no one came forward to fight. Then, to everyone's surprise, a youth stepped forward. A roar of laughter echoed from the enemy's side, and even *Taalut's* men shook their heads. The young man was *Dawood* (David), from the city of *Bethlehem*. As he was the youngest one, he was asked not to fight but help the army in other ways. *Taalut* did not agree at first but when David (AS) persisted, he gave him the permission. When Goliath saw him, he despised him for his youth and laughed at him but to everyone's surprise, *Dawood* (AS) killed him with his slingshot and Allah (SWT) gave the Israelites the glory and honor they had lost for a long time, through this battle. Then as promised, *Taalut* gave his daughter to *Dawood* (AS) and later the kingship was also transferred to him in addition to the Prophethood and wisdom granted to him by Allah (SWT). *"And were it not for Allah's repelling some people by the others, the earth would have been definitely corrupted"* i.e. when some nations or groups transgress the limits set by Allah (SWT) and make mischief on earth, then He replaces them by others as a counterweight.

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝٢٥٢

(252) These are the Ayaat of Allah which We recite to you with a purpose. And of course you are definitely among the Messengers.

This *ayah* categorically states the truth of the Prophethood of Muhammad (SAW) and what has been revealed to him by Allah (SWT) i.e. the *Qur'an*.

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۭ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ
الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ
وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۣ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۝٢٥٣

(253) These Prophets, We have exalted some above others. Among them is he to whom Allah spoke; and He raised some of them in ranks; and We gave Jesus--son of Mary, clear signs and supported him with the Holy Spirit. And had Allah willed, those who came after them would not have fought against one another after the clear signs had come to them; but they differed, so some of them believed and some disbelieved. And had Allah willed, they would not have fought against one another, but Allah does whatever He intends.

Allah (SWT) honors some Prophets over others but it is not for us to differentiate between any of them and thus argue and dispute with others in favor of one or the other. Instead, it is only up to Allah (SWT) with His infinite knowledge and Wisdom to decide which Prophet is superior, as they are all His creations. Here Allah (SWT) mentions Prophet *Musa* (AS) and *'Isa* (AS) to point out their distinguished positions. *Musa* (AS) was directly addressed by Allah (SWT), while *'Isa* (AS) was aided by miracles and assisted by the Holy Spirit. *"And had Allah willed, those who came after them would not have fought against one another after the clear signs had come to them; but they differed, so some of them believed and some disbelieved. And had Allah willed,*

they would not have fought against one another." Allah (SWT) has sent man on earth as a trial and does not force His people to follow a fixed path or impose guidance on any individual. Had He taken away the free will of action from His people, the trial would have been meaningless. Allah (SWT) sent His Messengers to guide the people, whereupon some believed and others rejected. If Allah (SWT) had willed, He could have prevented all His servants from going astray, *"but Allah does whatever He intends."*

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ
الظّٰلِمُوْنَ ۝

(254) *O you who believe! Spend out of what We have provided you before comes a Day wherein there would be no trade, no friendship, and no intercession. And it is the disbelievers who are unjust.*

Allah (SWT) commands His servants to strive to spend in His way out of the bounties that He has given them, before the Day of Judgment arrives when no ransom will be accepted and no friendship will benefit them. And those who defy Allah's commandments and reject His Messengers are truly the wrongdoers.

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ڬ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ
عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـــُٔـوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَھُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝

(255) *Allah! There is no Ilaah (worthy of worship) except Him – the Ever Living, All-Sustaining. Neither slumber nor sleep overtakes Him; to Him belongs whatever is in the heavens and whatever is in the earth. Who is the one to intercede with Him except with His permission? He knows whatever is before them and whatever is behind them, and they cannot encompass anything out of His knowledge except that which He wills. His throne extends over the heavens and the earth and to sustain them both does not fatigue Him. And He is the Exalted, the Supreme.*

This *ayah* is known as *Ayat-ul-Kursi* i.e. the *ayah* of the Throne. The Prophet (SAW) said that it is the greatest *ayah* of the *Qur'an*. In another *Hadith*, it is narrated by *Ubayy Bin Ka`b* (RAA) that the Prophet (SAW) asked him as to which verse in the Book of Allah (SWT) was the greatest. He said, *"Allah and His Messenger know best."* He repeated it several times and then he said, "*Ayat-ul-Kursi.*" The Prophet (SAW) said, *"Congratulations upon your knowledge, Abul-Mundhir. By the One in Whose hand is my soul, it has a tongue and two lips, and it glorifies the Sovereign (i.e. Allah) at the foot of the Throne."* [69]

Allah (SWT) is the Only Lord of all creation and has no partner whatsoever. He is Ever Living and sustains the whole universe. Every living creature relies on Him while He, The Most High, is in need of nothing. *"Neither slumber nor sleep overtakes Him."* He is aware of everything and nothing is hidden from His knowledge. This is also a refutation of the beliefs of the Christians who think that Allah (SWT)

created the heavens and the earth in six days and rested on the seventh day. In truth, Allah (SWT) is free of such weaknesses and is neither affected by slumber nor sleep. *“To Him belongs whatever is in the heavens and whatever is in the earth”* i.e. everything in the heavens and the earth and what is in between them is under His authority and control. *“Who is the one to intercede with Him except with His permission?”* i.e. none can intercede or help on behalf of anyone else except if Allah (SWT) permits them. Therefore, neither the Prophets nor the angels or saints will dare to utter a word without the permission of the Lord of the Universe. *“He knows whatever is before them and whatever is behind them”* i.e. nothing is hidden from Allah (SWT) and He has perfect knowledge of all His creations. None of the creatures can attain His knowledge except what He conveys to them, since He is the real source of all knowledge, as the angels said: *“"Glory to You," they replied, "we have no knowledge except what You have taught us: in fact You are the One who is perfect in knowledge and wisdom.”* [70] *“His throne extends over the heavens and the earth.”* The word *‘Kursi’* is translated into Throne as well as Authority. If we take it as authority, it would mean that Allah’s authority extends over the heavens and the earth. On the other hand, most of the *Salaf* [71] have treated the attributes of Allah (SWT) as they are, without knowing the how of it, and thus it would mean that His throne extends over the heavens and the earth. *“And to sustain them both does not fatigue Him”* i.e. the preservation and protection of the heavens and the earth and all that is between them is very easy for Allah (SWT) and it does not burden Him at all *“and He is the Exalted, the Supreme.”*

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۖ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ
الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٥٦﴾

(256) There is no compulsion in faith. Of course the right path has become distinct from the wrong path. So whoever renounces Taghut and believes in Allah, has indeed grasped a firm handhold that never breaks. And Allah is All-Hearing All-Knowing.

Believing in Islam depends upon the faith and the will of a person and it would be meaningless to impose it by force. Thus Islam does not force anyone to embrace it; instead, a person has the liberty to live in an Islamic state as a Non-Muslim. However, the Non-Muslims have to comply with and submit to the socio-politico-economic system of that Islamic state. *“Of course the right path has become distinct from the wrong path.”* Allah (SWT) has shown all the evidences and proofs for Islam and thus there should be no doubt in any person’s mind about the truth of Allah’s *Deen* and the falsehood of what opposes it. *“So whoever renounces Taaghut and believes in Allah, has indeed grasped a firm handhold that never breaks.”* The *Qur’an* uses the word *Taaghut* for the forces of evil which rebel against Allah (SWT) i.e. all that turns one away from the path of Allah (SWT) and leads one to evil. This may be a King, a leader or even a whole system, like capitalism or communism, which does not govern

according to the laws legislated by Allah (SWT). Therefore, no one can be a true believer in Allah (SWT) until and unless he denounces *Taaghut*. Such are those who hold firmly to Allah (SWT) and the true religion with the strongest grasp that never breaks.

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۗ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓــُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

(257) *Allah is the Wali of those who believe, He brings them out of the depths of darkness into light. And those who disbelieve, their patrons are the Taghut (forces of evil); they bring them out of light into the depths of darkness, they are the companions of Hellfire; they will be therein 'eternal residents'.*

The Arabic word *'Wali'* literally means protector, supporter or helper. A guardian or the one who exercises authority over someone is also called a *'Wali'*. Thus here it means that Allah (SWT) is the helper and protector of the believers and an authority over them. He brings them out of the darkness of disbelief and evil into the light of the Truth. In this *ayah*, Allah (SWT) has mentioned the light in the singular form while the darkness in the plural, because disbelief comes in different shades of evil while there is only one truth. While Allah (SWT) is the protector of the believers, the *Taaghut* are the helpers of the disbelievers and bring them out of the light of truth into the darkness of falsehood. Therefore, they are the heirs of Hell and shall abide in it forever.

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَاۗجَّ اِبْرٰھٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُـحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ۭ قَالَ اِبْرٰھٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

(258) *Have you not considered the one who argued with Ibrahim about his Lord because Allah had given him the kingdom? When Ibrahim said: "My Lord is the one who gives life and causes death". He replied: "I give life and cause death". Ibrahim said: "Verily Allah causes the sun to rise from the east; just make it rise from the west". Thereupon the unbeliever was confounded; and Allah does not guide the unjust people.*

The person referred to here is King Nimrod of Iraq, who disputed with *Ibrahim* (AS) about the existence of Allah (SWT). Nimrod denied the existence of Allah (SWT) who had given him the kingdom and instead of being grateful to Him, he himself claimed to be the Lord. *Ibrahim* (AS) could not accept that and therefore Nimrod summoned him before himself for judgment and asked him to produce a proof for Allah's existence. When *Ibrahim* (AS) gave the evidence of the existence of Allah (SWT), Nimrod tried to refute it. But after the second argument, he was perplexed and although the truth had become clear to him, he did not accept it because of greed and arrogance, and decreed that *Ibrahim* (AS) be thrown into fire. Indeed, Allah does not guide the evildoers.

اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰي قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰي عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ

بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمۡ لَبِثۡتَ ؕ قَالَ لَبِثۡتُ يَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ يَوۡمٍ ؕ قَالَ بَلۡ لَّبِثۡتَ مِائَةَ عَامٍ فَانۡظُرۡ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ
لَمۡ يَتَسَنَّهۡ ۚ وَانۡظُرۡ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجۡعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانۡظُرۡ اِلَى الۡعِظَامِ كَيۡفَ نُنۡشِزُهَا ثُمَّ نَكۡسُوۡهَا لَحۡمًا ؕ فَلَمَّا
تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعۡلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۲۵۹﴾

(259) Or like the one who passed by a town collapsed on its roofs. He wondered: "How will Allah bring it to life after its death. So Allah caused him to die for a hundred years then raised him up. Allah asked: "How long did you remain (dead)?" He replied: "I remained a day or part of a day". Allah said: "Nay, but you remained for a hundred years, so look at your meal and your drink, it is not spoiled. And look at your donkey, and so that We may make you a sign for the people. And look at the bones how do We bring them together and clothe them with flesh. So when it became manifest to him, he said: "I have come to know that Allah is Powerful over everything".

The person referred to here is Prophet *Uzair* (Ezra) (AS) and the city mentioned is Jerusalem. After *Nebuchadnezzar* attacked Jerusalem in the late seventh century B.C, he destroyed the city completely along with the temple of *Suleman* (AS), killed its people and took half of them as prisoners. When Prophet *Uzair* (AS) passed by Jerusalem and saw its destruction, he wondered if the people of this town could ever be brought back to life again. It should be noted that this question did not mean that Prophet *Uzair* (AS) did not believe in the resurrection; he just wanted to see the reality with his own eyes. So Allah (SWT) made him die for a hundred years and then raised him again along with his donkey, so that he could witness how Allah (SWT) brings the dead back to life.

Endnotes

[64] For details see Tafsir Ibn Kathir, Al-Baqarah (2): 243.

[65] Towards Understanding the Qur'an by Syed Abul A'la Mawdudi, pg: 186, published by The Islamic Foundation, Leicester, United Kingdom.

[66] The first king of Israel, called *Taalut* in the Qur'an on account of his height and strength.

[67] It is the Shari'ah River which flows between Jordan and Palestine according to Ibn Abbas. (At-Tabari 5 : 340)

[68] Surah Al-Anfaal (8): 7.

[69] Musnad Ahmed 5: 14.

[70] Surah Al-Baqarah (2): 32.

[71] Literally meaning predecessors or early generations, In Islam it means the people of the past, namely the first three generations of pious Muslims during and after the revelation of the Qur'an, i.e. the Companions of the Prophet (SAW) the *Taabi'een* (followers) and the *Taaba' Taabi'een* (followers of the followers).

***

سیرتِ خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم

بانیٔ تنظیم اسلامی و داعیٔ تحریک خلافت پاکستان

محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کے پانچ فکر انگیز خطابات

1. فلسفۂ دین میں نبوت و رسالت کا مقام و مرتبہ
2. نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تکمیل نبوت و رسالت کے مظاہر
3. انقلابِ نبویؐ کا مرحلہ اوّل کردار سازی کا نبویؐ طریق
4. انقلاب اسلامی میں باطل سے تصادم کا مرحلہ اوّل
5. انقلابِ اسلامی میں باطل سے تصادم کے مراحل

دو DVDs پر مشتمل پیک، قیمت 100 روپے (علاوہ کوریئر چارج 100 روپے)

مکتبہ خدام القرآن لاہور

قرآن اکیڈمی، K-36 ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 3-35869501-42-92+

ای میل: maktaba@tanzeem.org ویب سائٹ: www.tanzeem.org